دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

# دارالعلوم

| شمارہ: ۱۲ | صفر ۱۴۳۷ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۵ء | جلد: ۹۹ |
|---|---|---|

| مدیر | نگراں |
|---|---|
| حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب<br>استاذ دارالعلوم دیوبند | حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی<br>مہتمم دارالعلوم دیوبند |

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔ ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

**DARUL ULOOM** Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
**Vol. No. 99, Issue No. 12, December 2015** दिसम्बर 2015
**Printer Publisher** :- Maulana Abul-Qasim Numani
**Editor** :- Maulana Habibur Rahman Azmi
**Owner** :- Darul Uloom Grush.
**Place of Publication** :- Deoband, Saharanpur, U.P.
**Printed at:** Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

| Rs. 20/= | Annual Subscription Rs. 200/= |
|---|---|

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۵۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۵۰۰ روپئے

# فہرست مضامین


| نمبر شمار | نگارش | نگارش نگار | صفحہ |
|---|---|---|---|
| ۱ | حرفِ آغاز | ..... | ۳ |
| ۲ | مدینہ منورہ فضائل کے آئینہ میں | مولانا مفتی محمد زاہد | ۸ |
| ۳ | اسلامی تجارت | مفتی تنظیم عالم قاسمی | ۲۰ |
| ۴ | جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازوں کو اکٹھے پڑھنے کا حکم | محمد نجیب قاسمی سنبھلی | ۲۸ |
| ۵ | مادیت کا فتنہ اور اس کا علاج | محدثُ العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری | ۳۴ |
| ۶ | عصر حاضر کا فتنۂ الحاد | محمد فاروق، کراچی | ۳۸ |
| ۷ | خیر الکلام فی کشف أوہام الأعلام | مولانا مفتی عمر فاروق لوہاروی | ۴۵ |


## ختم خریداری کی اطلاع

- ○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حرف آغاز

## دارالعلوم دیوبند کی جانب سے

## ناشرینِ قرآن مجید سے نہایت ضروری اور اہم گزارش

قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب، اسلام کی بنیاد اور تمام عالم کی ہدایت کا سرمدی پیغام ہے۔ ناشرینِ قرآن کریم کی جانب سے قرآن کریم کی طباعت، جو اشاعتِ دینِ متین کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے، نہ صرف قابلِ ستائش و مبارک باد ہے؛ بلکہ یہ مبارک خدمت ذخیرۂ آخرت، دارین میں سرخ روئی کا سامان اور صدقۂ جاریہ ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کی دینی خدمات کو قبول فرمائیں اور ہمارے لیے وسیلۂ نجات بنائیں؛ لیکن اسی کے ساتھ اس اہم امر کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت و اشاعت جہاں ایک مقدس عبادت اور ابدی سعادت کا ذریعہ ہے وہیں اس کے تئیں کسی طرح کی لاپروائی اور غفلت دنیا و آخرت میں نقصان اور خسران کا باعث ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالی نے خود قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ قرآن کریم کی حفاظت و اشاعت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین نے ہر ممکن کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں ادنی سے ادنی تقصیر و کوتاہی کو روا نہیں رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم بالکل اصلی شکل میں بلا کسی حرف و نقطہ کی تحریف و تبدیلی کے ہم تک پہنچا ہے۔

یہ ہمارے لیے کس درجہ بدبختی اور بدنصیبی کی بات ہوگی کہ ہم لاپروائی اور غفلت سے قرآن کریم کے ایسے نسخے شائع کررہے ہیں جس میں غلطیاں موجود ہیں۔ ظاہر ہے قرآن کریم کے تئیں ایسی سنگین کوتاہی کا تصور بھی ایک عام مسلمان کے ایمان و ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کو بعض دردمند اور غیور مسلمانوں نے توجہ دلائی ہے کہ مارکیٹ میں موجود قرآن کریم کے بعض نسخوں میں غلطیاں موجود ہیں اور اہم طباعتی ادارے بھی ان نسخوں کی طباعت کررہے ہیں۔

ہماری تحقیق کے مطابق مارکیٹ میں موجود نسخوں میں دو طرح کی غلطیاں موجود ہیں:

## (۱) عکس کی وجہ سے درآئی غلطیاں

قرآن کریم (پندرہ سطری حافظی، ۶۱۱ صفحات پر مشتمل) جو عام طور پر رائج ہے اور ہند و پاک کے اکثر ناشرین اس نسخہ کو شائع کرتے ہیں، اس نسخہ میں صفحات اردو ہندسوں میں لکھے ہوئے ہیں، یہ نسخہ مختلف سائز جیسے 126، 126A، 123 پر شائع ہوتا ہے اور دہلی اور ملک کے دیگر کتب خانے اس کو شائع کررہے ہیں۔

یہ نسخہ عکس لے کر شائع کیا جاتا ہے۔ باربار عکس لینے کی وجہ سے متعدد مقامات پر زائد نقطوں کی شکل بن گئی ہے یا کہیں کہیں حروف کی روشنائی ہلکی ہونے اور بار بار عکس ہونے کی وجہ سے حروف یا اعراب کٹ گئے ہیں۔ اس طرح کی غلطیاں کسی کسی نسخہ میں ستر (۷۰) سے بھی زائد ہیں، جو مجموعی طور پر مع صفحہ وسطر (صفحہ/سطر) درج کی جارہی ہیں:

۶/۱۶ (بِمُزَحْزِحِهٖ)، ۱۰/۲۳ (الْكِتٰبَ)،
۷/۴۴ (الْمَغْرِبِ)، ۱۳/۵۵ (وَاٰتَيْنٰهَا)،
۵/۶۰ (اُوْتِيْتُمْ)، ۶/۷۱ (كُتِبَ)،
۵/۷۷ (لَاُدْخِلَنَّهُمْ)، ۶/۸۵ (بِالْجُنُبِ)،
۸/۹۶ (مُّهِيْنًا)، ۴/۱۱۱ (بِمَا)،
۱۱/۱۲۵ (تُبْدَ)، ۴/۱۲۷ (النَّاسَ)،
۵/۱۳۶ (الْقَاهِرُ)، ۴/۱۴۳ (الْاِنْسِ)،
۱۲/۱۵۰ (الْكِتٰبُ)، ۱۰/۱۵۳ (الشَّيْطٰنُ)،
۵/۱۵۵ (الْفَوَاحِشَ)، ۲/۱۶۶–۸ (لَمَكْرٌ)، (الْاَرْضِ)،
۸/۲۰۱ (فَاسْتَاْذَنُوْكَ)، ۷/۲۰۳ (يَحْلِفُوْنَ)،
۸/۲۱۱ (وَيَعْبُدُوْنَ)، ۴/۲۱۴ (اِلٰى)،
۴/۲۵۵ (وَّعُقْبٰى)، ۱۲/۲۵۸ (بِرَبِّهِمْ)،
۱۰/۲۶۸ (الْمَلٰٓئِكَةَ)، ۵/۲۷۰ (وَالَّذِيْنَ)،
۱۲/۲۷۹ (اٰيَةٍ)، ۱۵/۳۰۰ (كُلِّ)،
۲/۳۰۳–۴ (شَيْءٍ ۢبَعْدَهَا)، (يُّضَيِّفُوْهُمَا)،
۵/۳۰۴ (عَذَابًا)، ۱۴/۳۱۴ (بَصِيْرًا)،

۱۱/۳۱۹(قَالَ بَصُرْتُ)، ۹/۳۲۷(هٰذِهٖ)،

۵/۳۳۶(مَکَانَ)، ۹/۳۵۶(مِنْ نُّوْرٍ)،

۴/۳۵۷(اٰیٰتٍ)، ۶/۳۷۹(وَتَفَقَّدَ)،

۱۱/۳۸۳(یَرْزُقُکُمْ)، ۶/۳۹۳(اَعْمَالُکُمْ)،

۱۱-۱۰/۴۱۲(وَلّٰی مُسْتَکْبِرًا)، (بِعَذَابٍ)،

۳/۴۱۳(غَنِیٌّ)، ۹/۴۱۶(مِقْدَارُہٗٓ)،

۶/۴۲۵(تَمَسُّوْھُنَّ)، ۱۳/۴۳۹(رَبَّنَآ)،

۲/۴۵۴(اَجْعَلَ)، ۱۱/۴۶۱(لٰکِنِ)،

۱/۴۶۲(صَدْرَہٗ)، ۱۰-۴/۴۶۴(قَضٰی)، (دُوْنِہٖٓ)،

۵/۴۷۷(وَمِنْهَا)، ۹/۵۰۲(بِمُسْتَیْقِنِیْنَ)،

۴/۵۰۷(اَلِیْمٍ)، ۶/۵۱۳(بِمَا)،

۱۳/۵۱۴(عَلٰی کُلِّ)، ۹/۵۱۸(اٰمَنُوْا)،

۴/۵۲۱(خَلَقْنَا)، ۱۳/۵۲۸(عِنْدَہٗ)،

۱۴-۱۱-۸/۵۴۳(یَّتَمَآسَّا)، (بِاللّٰهِ)، (عَذَابٌ)، ۱۳/۵۴۵(فَاَنْسٰهُمْ)،

۴/۵۴۹(نَسُوْا)، ۱۳-۷/۵۵۱(عَنِ)، (یَحِلُّوْنَ)،

۱۳/۵۶۱(ثَیِّبٰتٍ)، ۱۵/۵۹۶(یُعِیْدُ)،

۱۱/۶۰۷(الرَّحِیْمِ)، ۲/۶۱۰(دِیْنُکُمْ)۔

تاجرین اور ناشرینِ قرآن مجید کی طرف سے یہ مجرمانہ کوتاہی، غفلت اور بے حسی کی بات ہے کہ وہ قرآن کریم کی طباعت کے وقت عکس کی صحت اور صفائی کا دھیان نہیں دیتے، نگیٹیو کی ٹچنگ اور چیکنگ کا کام انجام نہیں دیا جاتا اور عموماً غیر معیاری کاغذ اور طباعت کا استعمال کیا جاتا ہے، اس طرح عکس در عکس کی وجہ سے قرآن کریم کے بہت سارے مقامات پر یا حروف کٹ گئے ہیں یا حروف کے ارد گرد نقطوں یا دھبوں کا اضافہ ہوگیا ہے جس کی وجہ سے حروف کچھ سے کچھ ہوگئے ہیں۔

اندازہ ہے کہ اگر غیر صاف نسخوں سے عکس لینے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور نگیٹیو کی تصحیح کا خیال نہیں رکھا گیا تو آئندہ دیگر بہت سے مقامات پر ایسی مزید غلطیاں پیدا ہونا یقینی ہے۔

## (۲) کتابت کی غلطیاں

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہمیں قرآن کریم کا ایک ایسا نسخہ بھی ملا ہے جس میں کتابت کی متعدد غلطیاں موجود ہیں اور وہ نسخہ طبع ہو رہا ہے۔ یہ نسخہ بھی حافظی پندرہ سطری قرآن کا ہے؛ لیکن اس میں صفحات کو انگریزی ہندسوں میں لکھا گیا ہے۔ یہ جدید کتابت شدہ نسخہ ہے اور اس کے حاشیہ میں متشابہہ آیات کو لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔اس نسخہ کے صفحہ ۶۱۱ پر دعائے ختم القرآن کے اوپر کاتب کا نام محمود احمد ابن عبدالحق لکھا ہوا ہے۔

ہمارے پیشِ نظر قرآن کریم کا جو نسخہ ہے وہ 'مدنی کتب خانہ، سملک ڈابھیل، وایا مرولی، ضلع نوساری گجرات' کے پتہ سے شائع ہوا ہے۔

اس نسخہ میں درج ذیل صفحات/سطور میں کتابت کی اغلاط ہیں:

- ص 8 /سطر ۶: کافر میں دو زیر کے بجائے ایک زیر لکھا گیا ہے۔
- ص 24 /سطر ۱۱-۱۴: سطر ۱۱ میں ان کی کتابت مٹی ہوئی ہے اور سطر ۱۴ میں والانفس کے ہمزہ پر اعراب زبر اور زیر دونوں دیا ہوا ہے۔
- ص 319 /سطر ۸: یٰھرون میں نون کو پیش کے بجائے زبر سے لکھا گیا ہے۔
- ص 606 /سطر ۲: عدن میں نون کو دو زیر کے بجائے ایک زیر دیا گیا ہے۔

قرآن کریم کے اس نسخہ کی آئندہ طباعت سے قبل اس کی تصحیح اور نظر ثانی کا خاص اہتمام کیا جائے۔اور جن اداروں نے اس نسخہ کو چھاپا ہے وہ اعلان وغیرہ کے ذریعہ حتی الامکان اس کی تلافی کی کوشش کریں اور نیا تصحیح شدہ نسخہ مفت بہم پہنچا کر پرانا نسخہ واپس لیں۔

## قرآن کریم کی طباعت کے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں

درج بالا سطور میں جو خلاصہ پیش کیا گیا ہے، وہ دہلی اور گجرات کے چند طباعتی اداروں کے چھاپے ہوئے قرآن کریم کے صرف دو نسخوں کا ہے۔قرآن کریم کے دیگر نسخوں اور دیگر مقامات کے طباعتی اداروں کے طبع کردہ قرآن کریم کے نسخوں کی تحقیق نہیں کی جاسکی ہے۔مگر اندازہ ہے کہ ملک کے طول وعرض میں چوں کہ قرآنِ کریم کے تمام ہی نسخوں کی طباعت عکس سے ہوتی ہے؛ اس لیے عکس در عکس کی وجہ سے حروف کے مٹنے ، کٹنے اور نقطوں دھبوں کے اضافے کا امکان بہت زیادہ ہے؛ اس لیے تمام ہی ناشرین اور طباعتی ادارے قرآنِ کریم کی طباعت کے وقت درج ذیل امور کا خاص لحاظ رکھیں:

(۱) صاف نسخوں سے عکس لیا جائے۔

(۲) بہترین کاغذ اور اعلیٰ طباعت کا اہتمام کیا جائے

(۳) جید علماء وحفاظ سے ہر طبع ہونے والے نسخہ کی تصحیح وتصدیق کرائی جائے۔

(۴) نگیٹیو کی ٹچنگ اور تصحیح کا خاص خیال رکھا جائے۔

(۵) خاص طور پر نئے کتابت شدہ نسخوں کی باریکی سے جانچ پڑتال ہو۔

(۶) طباعت کے بعد جلد بندی اور صفحات کی ترتیب کا خاص خیال رکھا جائے۔

(۷) درج بالا نسخوں کے علاوہ بھی دیگر تمام ہی نسخوں کی طباعت میں درج بالا امور کا اہتمام کیا جائے۔

(۸) ناشرین حضرات اپنے طباعتی اداروں کا نام وپتہ اور رابطہ نمبر بھی لکھیں۔

(۹) طباعت کے تمام مراحل میں قرآن کریم کی عظمت واحترام کا مکمل پاس ولحاظ رکھا جائے۔

(۱۰) خاص طور پر نگیٹیو کو عام نالیوں میں نہ دُھلا جائے؛ بلکہ اس پانی کو پاک صاف جگہوں پر ڈالا جائے۔

یاد رکھیں کہ محض اپنے تجارتی مصلحت اور قلیل مالی منفعت کی خاطر قرآن کریم کی طرف ادنی سی غفلت، کوتاہی اور لاپرواہی ہمارے لیے دنیا وآخرت میں عظیم خسارہ کا سبب ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائیں اور ہمیں قرآن کریم اور دینِ اسلام کی کما حقہ خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

جاری کردہ: دفترِ اہتمام، دارالعلوم دیوبند

❁ ❁ ❁

# مدینہ منورہ فضائل کے آئینہ میں

از: مولانا مفتی محمد زاہد
استاذ دارالعلوم حیدرآباد

اللہ تعالیٰ نے اس کائناتِ رنگ و بو میں بعض انسان کو دوسرے بعض سے افضل و برتر بنایا ہے؛ چناں چہ انبیاء علیہم السلام کو دوسرے تمام انسانوں پر فضیلت بخشی اور پھر انسانوں میں سے علماء، صلحاء، اتقیاء، عابدین اور زاہدین کو بقیہ تمام لوگوں پر پھر بقیہ لوگوں میں سے عام مومنین کو کفار ومشرکین پر؛ لیکن فضیلت و برتری ایک ایسی چیز ہے جس کا دائرہ صرف انسان تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ نوع انسان سے متجاوز ہوکر حیوانات، نباتات امکنہ ومقامات تک پہنچتا ہے؛ چناں چہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے مقامات وامکنہ میں سے بھی بعض مخصوص ومقدس مقامات کو دوسرے بعض پر فوقیت بخشی ہے، ان ہی مخصوص ومقدس مقامات میں سے دار ہجرتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے؛ کیوں کہ اس مقدس سرزمین کے ساتھ بہت سے امتیازات جڑے ہوئے ہیں اور یہ مبارک زمین بہت سے فضائل ومناقب کی حامل ہے، یہ وہ سرزمین ہے جس کی طرف (کفار مکہ اور اہل طائف کے ایمان سے مایوس ہوکر) خاتم الرسل آقائے دو جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور اپنی زندگی کے آخری دس سال یہیں گذارے، یہی وہ سرزمین ہے جس کی طرف اپنی جان اور اسلام کی حفاظت کی خاطر کفار مکہ کے ظلم وستم سے پریشان وتنگ آکر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہجرت کی اور امن واطمینان کے ساتھ زندگی گذاری یہی وہ سرزمین ہے، جہاں سے اسلام دنیا میں پھیلا اور قوت وشوکت حاصل ہوئی، یہی وہ سرزمین ہے جہاں کے باشندوں نے قدم قدم پر اللہ کے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا حتی کہ اپنی جانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے سے گریز نہیں کیا، اسی وجہ سے اللہ کی طرف سے ان کو انصار کا لقب ملا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا ان کی تعریف کی؛ چناں چہ قرآن کریم میں ہے: وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا، وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. (الحشر:۹) ترجمہ: اور یہ مال فیٔ ان

لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے ان سے پہلے (مدینہ کے) گھروں میں ٹھکانہ بنایا اور ایمان لائے، وہ محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جنھوں نے ان کی طرف ہجرت کی اور اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں پاتے ہیں، اس مال غنیمت سے جو ان کو دیا جائے اور وہ (ان کو) خود پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ ان کو فاقہ کرنا پڑے اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

قرآن کریم نے اس آیت میں انصار کے چند اوصاف حمیدہ بیان کیے ہیں:

(۱) ان کے دلوں میں مہاجرین کی محبت ہے۔

(۲) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کو ان کے فقر وغربت کی وجہ سے مالِ غنیمت میں سے کچھ زیادہ دے دیں تو وہ تنگ دل اور پریشان نہیں ہوتے۔

(۳) کھانے پینے، رہنے سہنے کی چیزوں میں یہ لوگ مہاجرین کو خود پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ ان کو فاقہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بخل اور مال ودولت کی حرص نہیں ہوتی تو وہ لوگ کامیاب وکامران ہوتے ہیں، اس سے صحابۂ کرامؓ کے کامیاب وبامراد ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے؛ اس لیے کہ صحابۂ کرامؓ کے دل بھی بخل اور مال ودولت کی حرص سے محفوظ ہیں، اسی طرح غزوۂ بدر کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے أشيروا عليّ أيها الناس کہہ کر انصار کی رائے معلوم کی تو انصار کے سردار سعد بن معاذؓ نے جواب دیا تھا کہ اے اللہ کے رسول ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی ہے، اگر آپ ہم کو دریا میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم دریا میں کودنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

الغرض قرآن واحادیث اور کتب تواریخ میں انصار کے بے شمار فضائل ومناقب بیان کیے گئے ہیں، جو خود ایک مستقل موضوع ہے، جس کے لیے سیکڑوں صفحات کی ضرورت ہے، یہاں احقر نے ضمناً ان کے چند فضائل کا اس لیے تذکرہ کردیا ہے کہ مکان ومکین کی فضیلت ایک دوسرے کو مستلزم ہے، اب احادیث کی روشنی میں مدینہ منورہ کے فضائل ملاحظہ فرمائیں۔

## مدینہ منورہ کے لیے برکت کی دعاء

مدینہ منورہ کی سرزمین، اس کے پھل، پیمانے اور مُد کے لیے برکت کی دعاء فرمائی ہے؛ چناں چہ مسلم شریف کی حدیث ہے: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ لوگ باغ کا سب سے پہلا پھل دیکھتے تو اس کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لیتے اور یہ دعاء فرماتے کہ اے اللہ ہمارے پھل میں برکت عطا فرما، ہمارے شہر میں برکت فرما، ہمارے صاع میں برکت فرما اور

ہمارے مد میں برکت فرما، اے اللہ بیشک ابراہیمؑ تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی ہیں اور بیشک انھوں نے تجھ سے مکہ کے لیے دعاء کی اور میں بھی مدینہ کے لیے اس طرح کی دعاء کرتا ہوں، جیسا کہ ابراہیمؑ نے مکہ کے لیے دعاء کی اور ایک گنا زیادہ وہ حدیث درج ذیل ہے:

وعنه (أبي هريرةؓ) قال كان الناس إذا رأوا أول الثمرة جاء وابه إلى النبي ﷺ فإذا أخذه قال اللهم بارك لنا في ثمرنا وبارك لنا في مدينتنا وبارك لنا في صاعنا وبارك لنا في مدنا، اللهم إن إبراهيم عبدك وخليلك ونبيك وإني عبدك ونبيك وإنه دعاك لمكة وأنا أدعوك للمدينة بمثل ما دعاك لمكة ومثله معه.(مسلم ۱/۴۴۲ باب فضل المدينة،مؤطأمالك كتاب جامع الدعأ باب فضل المدينة ۳۵۸)

## آب وہوا کی درستگی اور وبائی مرض کے لیے دعاء

جب آپ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ کے قیام کے زمانہ میں حضرت ابوبکراور بلال رضی اللہ عنہما بخار میں مبتلا ہوگئے یہ ایک سخت قسم کا بخار تھا جو وباء کی شکل میں اہل مدینہ کو آتا تھا اور جس کو آتا تھا کمزور کردیا کرتا تھا، جس سے صحابۂ کرامؓ کے مدینہ منورہ سے بددل ہونے کا بھی اندیشہ تھا، اس موقع پر آپ ﷺ نے دعاء فرمائی: اے اللہ ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت پیدا فرمادیجیے جیسا کہ ہمارے دلوں میں مکہ کی محبت ہے یا اس سے بھی زیادہ، مدینہ کی آب وہوا کو درست کردیجیے اور اس کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کردیجیے۔(جحفہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بستی تھی جہاں کے باشندے یہودی تھی) اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی یہ دعاء قبول فرمائی اور بخار کو ان لوگوں کی طرف منتقل کردیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس کے متعلق ایک خواب بھی نقل کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک کالی عورت دیکھی جس کے سر کے بال پراگندہ تھے، مدینہ سے نکلی اور مہیعہ میں جاکر اترگئی تو میں نے اس کی تعبیر لی کہ مدینہ کی وباء مہیعہ کی طرف منتقل کردی گئی (مہیعہ جحفہ کا ہی نام تھا) جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(الف) عن عائشةؓ قالت لما قدم المدينة وعك أبو بكر وبلال فجئت رسول الله ﷺ فأخبرته فقال: اللهم حبب إلينا المدينة كحبنا مكة أو أشد وصححها وبارك لنا في صاعها ومدها وانقل حمّاها فاجعلها بالجحفة.(بخارى ۲۵۳ باب بلا عنوان اختصارا، مؤطأمالك ۳۶۵ باب ماجاء في وباء المدينة مختصر من حديث طويل)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: جس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ

تشریف لائے تو ابوبکرؓ اور بلالؓ بخار میں مبتلا ہوگئے تو میں آپ ﷺ کے پاس آئی اور آپ ﷺ کو خبردی تو آپ ﷺ نے یہ دعاء فرمائی: اے اللہ ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت پیدا فرما جیسا کہ ہمارے دلوں میں مکہ کی محبت ہے یا اس سے بھی زیادہ، اس کی آب وہوا کو درست کردیجیے اور ہمارے لیے برکت پیدا فرما اس کے صاع میں اور اس کے مد میں اور اس کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کردیجیے۔

(ب) عن عبد الله بن عمرو في رؤيا النبي ﷺ في المدينة رأيت امرأة سوداء ثائرة الرأس خرجت من المدينة حتى نزلت مهيعة فتأولتها أن وباء المدينة نقل إلى مهيعة وهي الجحفة (مختصر صحيح البخاری باب من كذب فی حلمه ٢٦٢/٤)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے: نبی ﷺ کے خواب کے بارے میں مدینہ کے قیام کے زمانہ میں: میں نے ایک کالی عورت کو خواب میں دیکھا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے جو مدینہ سے نکلی اور مہیعہ میں اتر گئی میں نے اس کی تعبیر لی کہ مدینہ کی وبا، مہیعہ یعنی جحفہ کی طرف منتقل کردی گئی۔

## آپ ﷺ کی مدینہ منورہ سے محبت

نبی کریم ﷺ کو مدینہ بہت عزیز اور محبوب تھا؛ چناں چہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب سفر سے آتے اور مدینہ کی دیواروں پر نظر پڑتی تو اپنی اونٹنی تیز کردیتے اور اگر اونٹنی کے علاوہ کوئی دوسری سواری ہوتی تو اس کو تیز کردیتے، انھیں سے ایک دوسری حدیث میں منقول ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے اُحد پہاڑ کے بارے میں فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، جیسا کہ احادیث ذیل میں اس کی تصریح ہے:

عن أنسؓ أن النبي ﷺ كان إذا قدم من سفر فنظر إلى جدرات المدينة أوضع راحلته وإن كان على دابة حركها من حبها (بخاری ٢٥٣/١ باب بلاعنوان)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب کسی سفر سے واپس آتے اور مدینہ کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی اونٹنی کو تیز کردیتے اور اگر دوسری سواری پر ہوتے اس کو تیز کردیتے اور یہ سب مدینہ سے محبت کی وجہ سے تھا۔

وعنه أن النبي ﷺ أن ا لنبي ﷺ طلع له أحد فقال هذا جبل يحبنا ونحبه (مؤطأ مالك، كتاب الجامع، باب ما جاء فی أمر المدينة ٣٦١)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو جب احد پہاڑ دکھائی دیتا تو آپ ﷺ

فرماتے کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

**فائدہ:** اس حدیث میں "هذا جبل يحبنا و نحبه" کی شرح میں محدثین کی دو رائیں ہیں:

(۱) یہ حدیث مجاز پر محمول ہے اور پہاڑ کے محبت کرنے کا مطلب ہے کہ اس پہاڑ کے قریب رہنے والے لوگ یعنی اہل مدینہ جو صاحب ایمان وتوحید ہیں ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔

(۲) یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ جمادات میں بھی علم ودانائی، محبت وعداوت پیدا فرمادیتے ہیں، جیسا کہ وہ ستون جس پر ٹیک لگا کر آپ ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے جب منبر تیار ہوگیا اور آپ ﷺ منبر پر خطبہ دینے لگے اور ستون پر ٹیک لگا کر خطبہ دینا ترک فرمادیا تو وہ نبی ﷺ سے جدائی کے غم میں رونے لگا۔

الغرض خواہ یہ حدیث ظاہر پر محمول ہو یا مجاز پر دونوں صورتوں میں مدینہ کی حرمت وعظمت کی طرف مشیر ہے، اگر ظاہر پر محمول ہو تو اس لیے کہ اس حدیث سے آپ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کا مدینہ کے پہاڑ احد سے محبت کرنا اور پہاڑ کا آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ سے محبت کرنا ثابت ہوتا ہے اور مجاز پر محمول ہو تو؛ اس لیے کہ اس حدیث سے اہلِ مدینہ کا آپؐ اور آپؐ کے صحابۂ کرامؓ سے محبت کرنا ثابت ہوتا ہے اور آپؐ اور آپؐ کے صحابۂ کرامؓ کا اہل مدینہ سے، گویا اہل مدینہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرامؓ کے نزدیک محبوب ہیں تو اہلِ مدینہ کی فضیلت ثابت ہوئی اور مکین کی فضیلت مکان کی فضیلت کو مستلزم ہوتی ہے، لہٰذا مدینہ کی فضیلت ثابت ہوئی۔

## مدینہ منورہ کی حرمت وعظمت

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کو مکرم ومحترم قرار دیا ہے؛ حتی کہ بعض احادیث میں اس کے خاردار درختوں کے کاٹنے اور شکار کرنے سے منع کیا ہے، اور بعض احادیث میں فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کسی کو حرمِ نبوی میں شکار کرتا ہوا دیکھے تو اس کا سامان چھین لے؛ چناں چہ اسی حدیث کے پیش نظر ایک صحابی سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک غلام کو حرمِ نبوی میں شکار کرتے ہوئے دیکھا تو اس کے کپڑے چھین لیے اس غلام کے مالکان آئے اور کپڑے مانگے تو سعد بن ابی وقاصؓ نے کپڑے نہیں دیے اور نبی ﷺ کا یہ فرمان سنایا من أخذ أحدا يصيد فيه فليسلبه، وہ احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) عن عليؓ قال ما كتبنا عن رسول الله ﷺ إلا القرآن ومافي هذه الصحيفة قال قال رسول الله ﷺ المدينة حرام ما بين عير إلى ثور فمن أحدث فيها

حدثا أو آوى محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين لا يقبل منه صرف ولا عدل( بخاری ۱/۲۵۱، ۲۵۲ باب حرم المدينة۔ ابو داؤد ۱/۲۷۸ باب تحريم المدينة

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوائے قرآن اور جو کچھ اس صحیفے میں کچھ نہیں لکھا، انھوں نے فرمایا نبی ﷺ کا فرمان ہے، مدینہ محترم ومکرم ہے عیر اور ثور (مدینہ کی دو پہاڑیاں) کے درمیان سو جو شخص اس میں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دے تو اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کی کوئی فرض اور نفل نماز قبول نہیں ہوگی۔

(ب) عن سعد قال قال رسول الله ﷺ إني أحرم ما بين لابتي المدينة أن يقطع عضاها أو يقتل صيدها(مصنف ابن ابی شیبه باب مساحة حرم المدينة ۷/۲۹۵)

ترجمہ: حضرت سعدؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا آپ ﷺ کا ارشاد ہے: میں حرام قرار دیتا ہوں اس علاقے کو جو مدینہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے، یعنی اس بات کو کہ اس کے خاردار درختوں کو کاٹا جائے یا اس کے شکار کو قتل کیا جائے۔

(ج) عن سليمان بن أبي عبد الله قال رأيت سعد بن أبي وقاص أخذ رجلا يصيد في حرم المدينة الذي حرم رسول الله ﷺ فسلبه ثيابه فجاء مواليه فكلموه فيه فقال إن رسول الله ﷺ حرم هذا الحرم وقال من أخذ أحدا يصيد فيه فليسلبه فلا أرد عليكم طعمة أطعمنيها رسول الله ﷺ ولكن إن شئتم دفعتُ إليكم ثمنه) أبوداؤد باب تحريم المدينة ۱/۲۷۸ )

ترجمہ: حضرت سلیمان بن ابوعبداللہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: میں نے سعد بن ابی وقاصؓ کو دیکھا کہ انھوں نے ایک آدمی کو پکڑا جو حرم مدینہ میں جس کو نبی ﷺ نے حرارم قرار دیا ہے شکار کررہا تھا تو انھوں نے اس کے کپڑے چھین لیے تو اس کے مالکان آئے اور اس کو چھوڑنے کے بارے میں گفتگو کی تو سعدؓ نے جواب دیا کہ نبی ﷺ نے حرم مدینہ کو محترم قرار دیا ہے اور فرمایا کہ جو کسی کو حرم مدینہ میں شکار کرتا ہوا پکڑے تو چاہیے کہ وہ اس کا سامان چھین لے؛ لہٰذا میں تمہیں وہ رزق نہیں لوٹاؤں گا جو نبی ﷺ نے مجھے عنایت کیا ہے؛ البتہ اگر تم چاہو تو میں اس کی قیمت لوٹا دوں۔

**نوٹ:** احادیث مذکورہ میں نبی ﷺ نے حرم نبوی کو حرام قرار دیا ہے جس طرح کہ حرم مکی کو حرام قرار دیا ہے؛ لیکن ان احادیث میں حرام سے حرام شرعی مراد نہیں ہے؛ بلکہ حرام بمعنی معظم ومحترم ہے؛ اس لیے فقہاء احناف کے یہاں حرم نبوی کی خاردار گھاس اور اس کے شکار کو قتل کرنا

شرعی اعتبار سے حرام نہیں ہے؛ البتہ مکروہ ہے، جب کہ حرم مکی کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، اس سے حرام شرعی مراد ہے؛ لہٰذا حرم مکی کی گھاس کو کاٹنا اور اس میں شکار کرنا شرعاً حرام ہوگا؛ لیکن خواہ احادیث مذکورہ میں حرام بمعنی معظم ومحترم ہو یا حرام بمعنی شرعی ہو دونوں صورتوں میں حرم نبوی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

كما في حاشية المشكاة: قال التوربشتي قوله ﷺ حرمت المدينة أراد بذلك التحريم التعظيم دون ما عداه من الأحكام المتعلقة بالحرم....... قال الطيبي: المشهور من مذهب مالك والشافعي أنه لا ضمان في صيد المدينة وقطع شجرها بل ذلك حرام بلا ضمان فقال بعض العلماء يجب الجزاء كحرم مكة وقال بعضهم لا يحرم أيضا وهو مذهبنا أنه يكره.

ترجمہ: حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے: علامہ تورپشتیؒ نے کہا کہ نبی ﷺ کا یہ فرمان "حرمت المدینة" اس سے نبی ﷺ کی مراد تعظیم ہے نہ کہ وہ دوسرے احکام جو حرم مکی سے متعلق ہیں ﷺ علامہ طیبی نے کہا ہے کہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مدینہ کے شکار اور اس کے درختوں کو کاٹنے میں کوئی ضمان نہیں ہے؛ بلکہ وہ حرام ہے بغیر ضمان کے لازم ہوئے، بعض علماء نے کہا کہ جزاء (بدلہ) واجب ہے، حرم مکی کی طرح اور بعض نے کہا کہ حرام نہیں ہے اور یہ ہی ہمارا مذاہب ہے کہ (درختوں کو کاٹنا اور شکار کرنا) حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

## مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم

نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مقدس بستی کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا؛ چناں چہ حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ أمرت بقرية تأكل القرى يقولون يثرب وهي المدينة(بخاری باب فضل المدينةوإنهاتنفى الناس ۲۵۲/۱ـمسلم باب المدينة تنفى خبثهاويسمى طاية وطيبة ۴۴۴/۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے ایسی بستی کی طرف (ہجرت کا) حکم دیا گیا جو دوسری بستیوں کو کھا جائے گی اور وہ مدینہ ہے۔

## مدینہ منورہ اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب

مدینہ منورہ میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک حج اور عمرہ کے برابر ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا دراں حالیکہ آپ ﷺ وادی عقیق میں تھے

آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک شخص آیا اوراس نے کہا کہ اس مبارک وادی (مدینہ منورہ میں نماز پڑھواس میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک حج اور عمرہ کے برابر ہے، وہ حدیث مندرجہ ذیل ہے:

عن ابن عباسؓ قال قال عمر ابن الخطابؓ سمعت رسول الله ﷺ وهو بوادي العقيق يقول أتاني الليلة آت من ربي فقال صل في هذا الوادي المبارك وقل عمرة في حجة وفي رواية قل عمرة وحجة( بخاری باب قول النبی ﷺ العقیق ۱۳۵/۲ )

علاوہ ازیں اسی مقدس زمین میں مسجد نبوی واقع ہے، جس میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہےاور بعض روایات میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، وہ حدیث درج ذیل ہے:

”صلاة في مسجدي هذا تعدل ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام“ مسلم ۴۴۷/۱ ، (صحیح ابن خزیمه ط۳ باب اختیار صلاة المرءة فی مخدعها ۸۱۵/۲ )

ترجمہ: میری اس مسجد میں ایک نماز کا ثواب ہزار نمازوں کے برابر ہے جو اس کے علاوہ دوسری جگہوں میں پڑھی جائیں سوائے مسجد حرام کے۔ (شامی ۴۲۲/۲ )

علامہ شامیؒ نے یہ حدیث افضل المساجد (سب سے افضل مسجد) کی بحث میں ذکر کی ہے؛ چنانچہ کہا ہے کہ سب سے افضل مسجد مسجد حرام ہے اس کے بعد مسجد نبوی ہے جیسا کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے اس لیے کہ اس میں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب ہزار نمازوں کے برابر بتایا گیا ہے؛ مگر مسجد حرام مستثنیٰ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب اس سے زیادہ ہے۔

## روضۂ مبارک کی زیارت کا ثواب

اس مبارک سرزمین میں روضۂ نبی ﷺ ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے میری زیارت کے لیے سفر کیا اور سفر سے اس کا مقصد میری زیارت ہی تھا تو وہ قیامت کے دن میرا پڑوسی ہوگا، اور ایک دوسری حدیث میں ہے جس شخص نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی تو وہ ایسا ہے جیسا کہ زندگی میں اس نے میری زیارت کی؛ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن رجل من آل الخطاب عن النبي ﷺ قال من زارني متعمدا كان في جواري يوم القيامة (شعب الایمان باب فضل الحج والعمرة ۴۸/۶ ،المعجم الأوسط باب من اسمه جعفر ۳۵۱/۳ )

ترجمہ: خطاب کی اولاد میں سے ایک شخص سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بقصد وارادہ میری زیارت کی تو وہ قیامت کے دن میرا پڑوسی ہوگا۔

عن ابن عمر مرفوعا من حج فزار قبري بعد موتي كمن زارني في حياتي (شعب الايمان باب فضل الحج والعمرة ٤٨/٦)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حج کیا اور مرنے کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ ایسا ہے جیسا کہ میری زندگی میں اس نے میری زیارت کی۔

## مدینہ کی پریشانیوں پر صبر کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے بارے میں فرمایا ہے جس شخص نے مدینہ کی مشکلوں، اس کی پریشانیوں اور مشقتوں (گرمی، بخار وغیرہ) کو برداشت کیا تو میں اس کے لیے گواہ ہوں گا اور قیامت کے دن اس کا سفارشی ہوں گا، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن رجل من آل الخطاب عن النبي ﷺ قال ........ من سكن المدينة وصبر على بلائها كنت له شهيدا ومشفعا يوم القيامة (مسلم شريف باب الترغيب فى سكن المدينة والصبر ١٥٤/٢)

ترجمہ: آل خطاب میں سے ایک شخص سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص مدینہ میں رہائش اختیار کرے اور اس کی مشقتوں پر صبر کرے تو میں اس کے لیے گواہ ہوں گا اور قیامت کے دن اس کا سفارشی ہوں گا۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کا کوئی فرد مدینہ کی سختی اور پریشانی پر صبر نہیں کرے گا مگر یہ کہ قیامت کے دن میں اس کے لیے سفارشی ہوں گا۔ (مسلم شریف ۱/۴۴۴)

اسی طرح ایک اور حدیث میں یہ مضمون مذکور ہے: جو شخص مدینہ کی پریشانیوں اور اس کی مشقتوں کو برداشت کرے گا میں قیامت کے دن اس کے لیے سفارشی یا گواہ ہوں گا (نسائی ۲۵۹/۴) یعنی اگر وہ شخص گنہگار ہے تو سفارشی ہوں گا اور اگر گناہوں سے محفوظ ہوگا تو میں گواہ ہوں گا کہ اس نے مدینہ کی مشقتوں کو برداشت کیا، اس کی پریشانیوں کو جھیلا ہے؛ لہٰذا اس کے اجر و ثواب میں اضافہ کیا جائے گا۔

## بدکرداروں سے مدینہ منورہ کا تحفظ

مدینہ کے فضائل ومناقب میں یہ بھی ایک قابل تذکرہ فضیلت ہے کہ مدینہ میں فاسق، فاجر اور حدود اللہ سے تجاوز کرنے والوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے؛ چنانچہ مدینہ منورہ وقتاً فوقتاً اس طرح کے لوگوں کو باہر پھینکتا رہتا ہے، اس طرح کا ایک واقعہ خود نبی ﷺ کے دور میں بھی رونما ہوا، اس کا

خلاصہ یہ ہے کہ ایک دیہاتی نے مدینہ میں آکر نبی ﷺ سے بیعت کی اتفاق سے اس دیہاتی کو بخار آگیا تو وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد میری بیعت توڑ دو آپ ﷺ نے انکار کیا پھر دوبارہ آیا اور کہا کہ اے محمد میری بیعت توڑ دو آپ ﷺ نے انکار کیا پھر سہ بارہ آیا اور یہی جملہ دہرایا آپ ﷺ نے پھر انکار کیا اس کے بعد وہ دیہاتی مدینہ سے چلا گیا تو اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مدینہ کی مثال بھٹی کی طرح ہے کہ جس طرح بھٹی میں لوہا رکھا جائے تو میل کچیل دور ہوجاتا ہے اور آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہوجاتا ہے، اسی طرح مدینہ بھی بدکار، بد عقیدہ، فاسق، فاجر، کافر، منافق لوگوں کو وقتاً فوقتاً باہر پھینکتا رہتا ہے اور صالح، متقی، عابد، زاہد اور خدا سے لولگانے والوں کو پناہ دیتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، یہاں تک کہ قرب قیامت میں مسیح دجال کا ظہور ہوگا جو دنیا کے چپے چپے کو چھان مارے گا، کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی جہاں اس کے منحوس اور ناپاک قدم نہ پہنچے ہوں گے؛ لیکن یہ ملعون مدینہ کی سرزمین میں قدم نہیں رکھ سکے گا؛ کیوں کہ مدینہ کے ہر راستے پر اللہ کی طرف سے فرشتے مقرر ہوں گے جو حفاظت کے لیے صف بستہ کھڑے ہوں گے؛ اس لیے مدینہ کے قریب سنگلاخ زمین میں اترے گا اس وقت مدینہ منورہ تین مرتبہ لرزے گا اور مدینہ میں جتنے کفار ومشرکین، فساق وفجار ہوں گے سب کو باہر پھینک دے گا جو سب دجال کے پاس آکر جمع ہوجائیں گے جیسا کہ احادیث ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

(الف) عن أبي هريرةؓ قال قال رسول اللهﷺ: لا تقوم الساعة حتی تنفي المدينة شرارها كما ينفي الكير خبث الحديد( مسلم ۱/ ۴۴۴ باب صيانة المدينة من دخول الطاعون والدجال اليها )

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کا ارشاد ہے قیامت قائم نہیں ہوگی تا آنکہ مدینہ بدکار لوگوں کو دور کردے جس طرح بھٹی فولاد (لوہے) کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔

(ب) وعنه قال قال رسول اللهﷺ علی أنقاب المدينة ملائكة لا يدخلها الطاعون ولا الدجال(بخاری ۱/ ۲۵۲ باب لا يدخل الدجال المدينة، مسلم ۱/ ۴۴۴ باب صيانة المدينة من دخول الطاعون والدجال )

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے ہی روایت ہے انھوں نے فرمایا نبی ﷺ کا ارشاد ہے: مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں؛ اس لیے طاعون اور دجال اس میں داخل نہیں ہوسکتے۔

وعن أنسؓ قال قال رسول اللهﷺ ليس من بلد إلا سيطأه الدجال إلا مكة

والمدينة ليس نقب من أنقابها إلا عليه الملائكة صافيين يحرسونها فينزل السبخة فترتجف المدينة بأهلها ثلث رجفات فيخرج إليه كل كافر ومنافق (بخاری ۲۵۳/۱ باب لا يدخل الدجال المدينة)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا نبی ﷺ کا ارشاد ہے: کوئی شہر نہیں ہوگا جہاں دجال کے قدم نہ پہنچے ہوں گے سوائے مکہ اور مدینہ کے؛ اس لیے کہ مدینہ کے ہر راستے پر فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے جو اس کی حفاظت کریں گے تو وہ مدینہ کے قریب سنگلاخ زمین میں اترے گا اور مدینہ اپنے باشندوں کے ساتھ تین مرتبہ لرزے گا تو سب کافر و منافق نکل کر اس کی طرف چلے جائیں گے۔

## مدینہ منورہ میں انتقال کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے مومنین کو مدینہ منورہ میں انتقال کرنے کی ترغیب دی ہے؛ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے بس میں ہو کہ وہ مدینہ میں انتقال کرے اس کو چاہیے کہ مدینہ ہی میں انتقال کرے اس لیے کہ جو شخص مدینہ میں انتقال کرے تو میں اس کے لیے سفارشی ہوں گا۔

یحییٰ بن سعیدؓ کی حدیث میں ایک واقعہ مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص کا انتقال ہوگیا تھا، اس کی قبر کھودی جارہی تھی، آپ ﷺ قبر کے پاس تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک آدمی نے قبر میں جھانک کر دیکھا اور اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ''مومن کی خوابگاہ کیا ہی بری ہے'' تو آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ تو نے کیا ہی بری بات کہی اس شخص نے کہا کہ میرا مقصد مدینہ کی برائی کرنا نہیں ہے؛ بلکہ میرا مقصد ہے کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونا اس سے زیادہ بہتر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ مدینہ میں انتقال کر جانا اس سے زیادہ بہتر ہے اور ارشاد فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی مقام نہیں ہے جہاں پر مرنا مجھے مدینہ کے مقابلے زیادہ محبوب ہو، آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث کا مضمون ہے۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ من استطاع أن يموت بالمدينة فليمت بها فإني أشفع لمن يموت بها. (سنن ابن ماجة الأرنؤوط باب فضل المدينة ۲۹۲/٤، مواردالظمآن الى زوائد ابن حبان ت حسين اسد. باب فضل مدينة سيدنا رسول الله ﷺ ۳۵۸/۳)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے بس میں ہو کہ مدینہ میں انتقال کرے تو چاہیے کہ وہ مدینہ ہی میں انتقال کرے؛ اس لیے کہ میں

اس شخص کا سفارشی ہوں گا جو مدینہ میں انتقال کرے۔

عن يحي بن سعيد أن رسول اللهﷺ كان جالسا وقبر يحفر بالمدينة فاطلع رجل في القبر فقال: بئس مضجع المؤمن، فقال رسول اللهﷺ بئسما ما قلت، قال الرجل لم أرد هذا وإنما أردت القتل في سبيل الله فقال رسول اللهﷺ لا مثل القتل في سبيل الله ما على الأرض بقعة أحب إليَّ أن يكون قبري بها منها ثلث مرات (مؤطأ مالك، الأعظمى باب الشهداء فى سبيل الله، ترمذى شاكر ۷۱۹/۵ باب فضل المدينة)

ترجمہ: یحیٰ بن سعید سے مروی ہے کہ آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور مدینہ میں ایک قبر کھودی جارہی تھی اچانک ایک آدمی نے جھانک کر دیکھا تو اس کی زبان سے نکلا ''مومن کی خوابگاہ کیا ہی بری ہے'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تونے بری بات کہی تو اس نے کہا کہ میرا یہ مقصد نہیں ہے بلکہ میرا مقصد ہے جہاد میں شہید ہونا اس سے بڑھ کر ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ (مدینہ میں انتقال کر جانا) جہاد فی سبیل اللہ کی طرح نہیں ہے (بلکہ اس سے بڑھ کر ہے) روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں مرنا مدینہ کے مقابلے مجھے زیادہ محبوب ہو، یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ فرمائی۔

## قربِ قیامت مدینہ کی تادیر بقاء

اس مقدس سرزمین کی ایک اہم خصوصیت وفضیلت یہ ہے کہ جب قیامت کا وقوع ہوگا تو مدینہ کی بستی سب سے آخر میں فناء ہوگی، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔

عن أبي هريرةؓ قال قال رسول اللهﷺ آخر قرية من قرى الإسلام خرابًا المدينة هذا حديث حسن غريب (سنن ترمذى ت شاكرباب ما جاء فى فضل المدينة ۸۲۵/۵)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: اسلام کی بستیوں میں سب سے آخر میں فناء ہونے والی بستی مدینہ ہے۔

## قربِ قیامت اہل ایمان کا مدینہ میں اجتماع

قیامت کے قریب تمام اہل ایمان دنیا کے گوشے گوشے سے سمٹ کر مدینہ آجائیں گے، جیسا کہ بخاری کی یہ حدیث شاہد وعادل ہے۔

عن أبي هريرةؓ قال رسول اللهﷺ إن الإيمان ليأزر إلى المدينة كما تأزر الحية إلى جحرها (بخارى، باب الإيمان يأرز إلى المدينة ۲۵۲/۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا نبی ﷺ کا فرمان ہے: (اہل) ایمان سمٹ کر اس طرح مدینہ آجائیں گے جس طرح سے سانپ سمٹ کر اپنے بل میں چلا جاتا ہے۔

# اسلامی تجارت

از: مفتی تنظیم عالم قاسمی
استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

عقائد وعبادت کی طرح معاملات بھی دین کا ایک اہم شعبہ ہے، جس طرح عقائد اور عبادات کے بارے میں جزئیات واحکام بیان کیے گئے ہیں، اسی طرح شریعت اسلامی نے معاملات کی تفصیلات بھی بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے، حلال وحرام، مکروہ اور غیر مکروہ، جائز اور طیب مال کے مکمل احکام قرآن وحدیث میں موجود ہیں اور شریعت کی دیگر جزئیات کی طرح اس میں بھی مکمل رہنمائی کی گئی ہے، جو لوگ نماز اور روزہ کا اہتمام کرتے ہیں؛ مگر صفائی معاملات اور جائز وناجائز کی فکر نہیں کرتے، وہ کبھی اللہ کے مقرب نہیں ہوسکتے: اس لیے ان کا عمل شریعت پر ناقص ہے، افسوس ہے کہ عرصۂ دراز سے مسلمانوں کے درمیان معاملات سے متعلق جو شرعی احکام ہیں ان کی اہمیت دلوں سے مٹ گئی ہے اور دین صرف عقائد وعبادات کا نام سمجھا جانے لگا، حلال وحرام کی فکر رفتہ رفتہ ختم ہوگئی ہے اور دن بہ دن اس سے غفلت بڑھتی جارہی ہے، جس کے سبب مسلمان اقتصادیات میں پیچھے ہیں اور خاطر خواہ معاشیات میں انھیں ترقی نہیں مل رہی ہے۔

تجارت کسب معاش کا بہترین طریقہ ہے، اسے اگر جائز اور شرعی اصول کے مطابق انجام دیا جائے تو دنیوی اعتبار سے یہ تجارت نفع بخش ہوگی اور اخروی اعتبار سے بھی یہ بڑے اونچے مقام اور انتہائی اجر وثواب کا موجب ہوگی، تجارت اگرچہ دنیا کے حصول اور مالی منفعت کے لیے کی جاتی ہے، تاہم یہ خدا کا فضل ہے کہ زاویۂ نگاہ اگر تھوڑا سا تبدیل کردیا جائے اور تجارت کرنے والے یہ سوچ لیں کہ خدا کا حکم ہے، حلال روزی کی تلاش اور حلال پیسوں کے ذریعے اولاد کی پرورش، بیوی اور والدین کی ضروریات کی تکمیل؛ اس لیے ماتحتوں کے حقوق ادا کرنے اور غریب ونادار افراد کی مدد کرنے کے لیے یہ کاروبار کررہے ہیں اور پھر وہ کاروبار بھی اسلامی اصول کی روشنی میں کیا جائے تو ایسی تجارت کی بڑی فضیلت آئی ہے اور ایسے افراد کو انبیاء وصلحاء کی معیت کی خوشخبری دی گئی ہے، ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

” التاجر الصدوق الأمين مع النبين والصديقين والشهداء “ (سنن الترمذي، حديث نمبر: ۱۲۵۲)

”جوتاجر تجارت کے اندر سچائی اور امانت کو اختیار کرے تو وہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا“

ایک درسری روایت میں ہے:

”التجار يحشرون يوم القيامة فجارًا إلّا من اتقى وَبَرَّ وصدق “ (المعجم الكبير للطبراني، حديث نمبر: ٤٥٤٠)

”تجار قیامت کے دن فاسق وفاجر بنا کر اٹھائے جائیں گے؛ مگر جو لوگ تقوی وسچائی اور اچھی طرح سے معاملہ کرے گا وہ اس میں شامل نہیں ہوں گے“

ان دونوں احادیث میں تجارت پیشہ افراد کی بظاہر دو حالتیں بیان کی گئی ہیں: ایک میں ان کی مدح بیان کی گئی ہے تو دوسری میں اس کی مذمت، یہ دراصل تاجر کے الگ الگ قسموں کا بیان ہے، جو تاجر نیک نیت اور صالح ہو، تجارت سے کسبِ حلال کا ارادہ کرتا ہو، ایسے لوگوں کا حشر بھی اچھا ہوگا اور وہ اپنی نیک نیتی اور صالحیت کی بنیاد پر قیامت کے دن اونچے مقام کے حامل ہوں گے اور جو لوگ تجارت اسلامی اصول سے ہٹ کر انجام دیتے ہیں، حلال وحرام کی تمیز کے بغیر صرف دولت جمع کرنا ان کا مقصد ہوتا ہے، فریب دے کر، جھوٹ بول کر، دغا دے کر، دوسروں کی جیب پر ڈاکہ ڈال کر، بس ایسے تجارت پیشہ افراد کو آپ ﷺ نے فاسق وفاجر کہا اور ان کا حشر بھی قیامت کے دن بُرے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔

اس لیے اہل علم اور فقہاء کرام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں کامیاب اور نفع بخش تجارت کے لیے چند اصول بیان کیے ہیں، جن کی روشنی میں تجارت کی جائے تو دنیا میں بھی نفع ہوگا اور آخرت کے اعتبار سے بھی یہ تجارت بے انتہاء اجروثواب کا باعث ہوگی، یعنی ان کی یہ تجارت دین کی سرگرمیوں میں شامل ہوجائے گی، ایک تاجر کو چاہیے کہ تجارت کرتے ہوے ضرور ان اصولوں کو پیش نظر رکھیں، افادۂ عام کے لیے نمبروار ذیل کی سطروں میں ان اصول وضوابط کو لکھا جارہا ہے:

(۱) کاروبار کو فروغ دینے کے لیے ہمیشہ سچائی اختیار کیجیے؛ جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسمیں کھا کر جو لوگ اپنی تجارت کو فروغ دیتے ہیں، وقتی طور پر اگرچہ نفع معلوم ہوتا ہے؛ مگر درحقیقت ایسی کمائی اور ایسی تجارت سے برکت اٹھالی جاتی ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”فإن صدقا وبينا بورك لهما في بيعهما وإن كتما وكذبا محقت بركة بيعهما“

(صحیح بخاری حدیث نمبر : ۱۹۳۷)

''خریدنے اور بیچنے والے اگر سچائی سے کام لیں اور معاملے کو واضح کردیں تو ان کی خرید وفروخت میں برکت دی جاتی ہے، اور اگر دونوں کوئی بات چھپالیں اور جھوٹ بولیں تو ان کے کاروبار سے برکت اٹھالی جاتی ہے''

ایک دوسری روایت میں ہے:

''قیامت کے روز اللہ تعالی تین شخصوں سے بات کرے گا، نہ اس کی طرف منہ اٹھا کر دیکھے گا اور نہ اس کو پاک صاف کرکے جنت میں داخل کرے گا (اس میں سے ایک) جو جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے کاروبار کو فروغ دینے کی کوشش کرتا ہے'' (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۳۰۶)

اور آپ ﷺ نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا:

''اپنا مال بیچنے کے لیے کثرت سے جھوٹی قسمیں کھانے سے بچو! یہ چیز وقتی طور پر تو فروغ کی معلوم ہوتی ہے؛ لیکن آخر کار کاروبار سے برکت ختم ہوجاتی ہے'' (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۴۲۱۰)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا بیچنے والوں کو جھوٹی قسمیں کھانے اور جھوٹ بولنے سے مکمل طور پر احتیاط کرنا چاہیے، جھوٹ کا سہارا لینا خریدار کو دھوکہ دینا اور دھوکہ دہی بڑے گناہ اور فسادِ عظیم کا باعث ہے جس سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔

(۲) مال کا عیب چھپانے اور خریدار کو فریب دینے سے پرہیز کیجیے، بسا اوقات مال بیچنے والے نقلی مال اصلی بتا کر بیچتے ہیں اور کبھی مال کے عیوب کو چھپا لیتے ہیں، اس طرح مال فروخت کرنے پر وہ اپنے آپ کو ہوشیار، چالاک اور بہت عقلمند تصور کرتے ہیں، یاد رکھیے! یہ عقلمند نہیں، انتہائی گھاٹے کا سودا ہے، یہ لوگ دنیا وآخرت دونوں جگہ خسارے میں رہیں گے۔

''ایک بار رسول اللہ ﷺ غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے، آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس ڈھیر میں ڈالا تو انگلیوں پر کچھ تری محسوس ہوئی، آپ ﷺ نے غلے والے سے پوچھا یہ کیا ہے؟ دوکان دار نے کہا: یارسول اللہ! اس ڈھیر پر بارش ہوگئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم نے بھیگے ہوے غلے کو اوپر کیوں نہیں رکھ دیا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے، جو شخص دھوکہ دے، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں'' (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۹۵)

شریعت کے رو سے تجارت کا اہم اصول یہ ہے کہ مال کا کوئی عیب نہ چھپایا جائے، صاف

صاف تمام چیزیں بیان کردی جائیں، ایسے ہی کاروبا میں غیب سے برکت نازل ہوتی ہے اور وہ کاروبار فروغ پاتا ہے۔

(۳) کاروبار میں ہمیشہ دیانت وامانت اختیار کیجیے، مال اچھا ہے تو اچھا بتائے اور خراب ہے تو اس کی بھی وضاحت کردیجیے، کبھی کسی کو خراب مال دے کر یا مجبوری کے وقت عرف وعادت سے زیادہ نفع لے کر اپنی حلال کمائی کو حرام نہ بنائے، حرام رزق ساری برائیوں کی جڑ ہے؛ اس لیے تھوڑا کمائیے، مگر حلال اور طیب مال حاصل کرنے کی کوشش کیجیے، سچے اور امانتدار تاجرین کی حدیث میں بڑی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔

(۴) ناپ تول میں کمی نہ کیجیے، تجارتی معاملات میں یا عام لین دین حق دار کو اس کے حق سے کم دینا ہلاکت اور خسارہ کا باعث ہے، قرآن نے خاص طور پر اس سے دور رہنے کی ہداہت دی ہے، اور ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو اللہ کے غضب سے بچنے کی تلقین کی:

﴿وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ٥ الَّذِيۡنَ إِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ٥ وَإِذَا كَالُوۡهُمۡ أَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ٥ أَلَا يَظُنُّ أُولٰئِكَ أَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ٥ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ٥ يَوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ﴾ (المطففين : ۱ - ٦)

”تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں پورا پورا لیتے ہیں، جب ان کو ناب کر یا تول کر دیتے ہیں تو انھیں کم دیتے ہیں، کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن یہ اٹھا کر لائے جانے والے ہیں، اس دن کہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے“

اپنا حق کسی کے ذمہ ہو تو اسے حق سے زیادہ وصول کرنا اور دوسروں کا حق اپنے اوپر ہو تو حق سے کم دینا، یہ عام ذہن اور عام سوچ ہے؛ مگر یہ سوچ اور یہ طریقۂ کار درست نہیں ہے، یہ طریقہ اور انداز غیر شرعی اور ناپسندیدہ ہے، ایسے افراد کے لیے خدا نے تباہی اور ہلاکت کی دھمکی ہے، ظاہر ہے، جس کام پر اللہ تعالی ہلاکت کی دھمکی دے اس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہوسکتا ہے، وہ ہر اعتبا سے بُرا اور قابل نفرت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو کم تولنے کے بجائے جھکتا تولنے کی نصیحت فرمائی ہے:

” زِن وَرجح “ (ترمذی،، حديث نمبر : ۱۳۵۳)

”جب تم وزن کیا کرو تو زیادہ کرو“

دوسر موقع پر فرمایا:

”إذا وزنتم فأرجحوا“ (ابن ماجه، حديث نمبر: ۲۳۰۷)

”جب تم وزن کرو تو زیادہ کرو“

(۵) تجارت کرنے کے ساتھ حقوق اللہ کی ادائیگی کا خاص خیال رکھا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کاروبار میں ڈوب کر خدا سے کنارہ کشی اختیار کرلی جائے، ایسے کاروبا میں کبھی اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوسکتی، تجارت یقیناً اچھی چیز ہے؛ مگراس کے حدود میں رہتے ہوے یہ کیا جائے، ضرورت سے زیادہ اس میں مشغولیت ہلاکت اور موجبِ خسارہ ہے؛ اس لیے علماء وراہل تحقیق نے لکھا ہے کہ جب کبھی ایسا موقع آئے کہ ایک طرف معاشی تقاضے ہوں اور درسری طرف دینی تقاضے تو ایک مؤمن کو چاہیے کہ معاشی تقاضے کو چھوڑ کر دینی تقاضے کی طرف دوڑ پڑے، اگر ایسا کیا تو دنیوی واخروی دونوں اعتبار سے وہ کامیاب ہوگا۔

اسی طرح تجارت پیشہ افراد کو چاہیے کہ ہاتھ پاؤں کاروبار میں مشغول رکھیں اور اپنے دل و دماغ کو خدا کی یاد میں بسائے رکھیں، ان کی توجہ ہرآن خدا کی طرف لگی ہوئی ہو، جب کبھی اذان ہو فوری طور پر مسجد کی طرف دوڑ پڑیں، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے خدا کی حمد وثنا اور عظمت وکبریائی کے کلمات زبان سے نکل رہے ہوں۔

معاش کی اہمیت مؤمن کو اس دھوکہ میں نہ ڈال دے کہ یہی سب سے بڑی چیز ہے اور یہی زندگی کا اصل مسئلہ ہے؛ بلکہ وہ خدا کی رحمت اور اس کے اخروی انعام کو ہی اصل اور سب سے بڑی چیز سمجھیں اور کسی بھی حال میں دنیا سے لو نہ لگائیں۔

حضراتِ صحابہؓ تجارت کرتے مگر جب بھی اللہ کا حق سامنے ہوتا وہ تجارت کو چھوڑ کر اس کی ادائیگی میں مشغول ہوجاتے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

”كان القوم يتبايعون ويتجرون ولكنهم إذا نابهم حق من حقوق الله لم تلههم تجارة ولا بيع عن ذكر الله حتى يؤدوه إلى الله“ (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب التجارة في البر)

”صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خرید وفروخت کرتے، تجارت کرتے تھے؛ لیکن جب انھیں اللہ کے حقوق میں سے کوئی حق پیش آتا تو تجارت اور بیع اللہ کے ذکر سے نہ روک سکتی، تا آں کہ وہ اللہ کے حق کو ادا کردیتے“

صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی ہمارے لیے قابلِ تقلید ہے، جن کی رسولِ اکرم ﷺ نے خاص تربیت فرمائی تھی، ان میں ایمان اتنا راسخ تھا کہ ایمانی تقاضوں پر کسی شئ کا غلبہ نہیں ہوسکتا تھا، وہ

وہی کرتے جس کا مطالبہ ایمان کی جانب سے ہوتا، دنیا اور دنیا کی خواہشات نے کبھی ان کے دل و دماغ کو آلودہ نہیں کیا، یقیناً ہمارے لیے ان کی زندگی میں ہزار عبرتیں پوشیدہ ہیں۔

(۷) اپنے مال میں غریبوں کا حق تسلیم کیجیے، اگر آپ صاحبِ نصاب ہیں تو مکمل حساب و کتاب کرکے زکوۃ نکالیے اور صاحبِ نصاب نہیں ہیں تو بھی فقراء و مساکین کو خدا کے نام پر کچھ نہ کچھ دیتے رہیے، صدقہ وخیرات کی عادت ڈالیے، کسی سائل کو اپنے در سے محروم نہ کیجیے اور نہ اسے ڈانٹیے اور بُرا بھلا کہیے، کیا معلوم اللہ تعالیٰ کب کس کی زبان سے نکلی ہوئی بات قبول کرلے، وہ شخص خوش ہوگا تو اس کی زبان سے دعائیں نکلیں گی اور نہ دینے پر ناراض ہوگا اور وہ بددعا کرے گا؛ اس لیے بہتر ہے کہ در پر آنے والا جیسا بھی ہو اسے خالی واپس نہ کریں، اسی طرح دینی اداروں اور ملی کاموں میں بھی مالی تعاون کے ذریعہ حصہ لے کر اپنی اجتماعی حوصلہ مندی اور دین کے لیے سب کچھ قربان کرنے کا ثبوت دیجیے۔

(۸) خریداروں کے ساتھ ہمیشہ نرمی کا معاملہ کیجیے، اچھے اخلاق، اچھی زبان اور میٹھے الفاظ کے ذریعہ خریداروں کو اعتماد میں لیا جاسکتا ہے، ان کا اعتماد جب آپ پر ہوجائے گا تو دوسری دکانوں کے بجائے وہ آپ کے پاس ہی آئیں گے، ایسے وقت کاروبار کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ان کے ساتھ خیرخواہی کریں، کم سے کم نفع پر مال دے کر اچھے اخلاق کا ثبوت دیں، ان کو کبھی دھوکہ نہ دیں، اگر کبھی وہ آپ سے ادھار مانگیں تو اپنی گنجائش کے مطابق انھیں مایوس نہ کیجیے اور ادھار دینے کے بعد مطالبہ کے وقت سخت لب ولہجہ استعمال نہ کیجیے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”رحم الله رجلا سمحا إذا باع وإذا اشترى وإذا اقتضى“ (صحيح البخاري، حديث نمبر: ۲۰۷۶)

”خدا اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت اور تقاضا کرنے میں نرمی اور خوش اخلاقی سے کام لیتا ہے“

ایک موقع پر یہ بھی فرمایا:

”من سره أن ينجيه الله من كرب يوم القيامة فلينفس عن معسر أو يضع عنه“ (صحيح مسلم حديث نمبر: ۴۰۸۳)

”جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ خدا اس کو روزِ قیامت کے غم اور گھٹن سے بچائے تو اسے چاہیے کہ تنگ دست قرض دار کو مہلت دے یا قرض کا بوجھ اس کے اوپر سے اتار دے، یعنی معاف کردے“

کسی نے اگر قرض لیا ہو، اس سے بھی نرم گفتگو اختیار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے، کیا معلوم کہ وہ کس پریشانی اور تکلیف میں ہے، اللہ کا کرم اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم دوسروں کو قرض دے رہے ہیں، ورنہ ہمیں بھی وہ محتاج بنا سکتا تھا۔

(۹) حرام اشیاء کی تجارت نہ کیجیے، جو اشیاء اسلام نے حرام قرار دی ہیں، ان کو مال تجارت بنانا یا ان کی خرید وفروخت کرنا بھی حرام ہے، جیسے شراب، افیوں، ہیروئن وغیرہ...... اسی طرح لاٹری، سٹہ بازی، قُحبہ گری، سودی لین دین، اخلاق سوز فلمیں اور آڈیو ویڈیو کیسٹس، آلات موسیقی، گانے بجانے کے اسکول یا اکیڈمیاں، اخلاق سوز ناول، فحش لٹریچر اور رسالے وغیرہ اس ممانعت میں شامل ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”إن اللّٰہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام“ (صحیح البخاري حدیث نمبر: ٢٢٣٦)

”اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے“

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

”إن اللّٰہ إذا حرم شیئا حرم ثمنہ“ (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ٤٩٣٨)

”اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے، اس کی قیمت کو بھی حرام قرار دیا ہے“

مذکورہ حدیث میں اگرچہ بعض چیزوں کا تذکرہ ہے؛ مگر جتنے ناجائز امور ہیں، ان سب کا یہی حکم ہوگا، مسلمانوں کو چاہیے کہ حرام اور ناجائز چیزوں کو بیع کا مال نہ بنائیں، اس میں گناہ اور عصیان پر تعاون لازم آئے گا، جو بجائے خود غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔

(۱۰) دکان کو وقت پر کھولیے، کوشش کیجیے کہ صبح کی اولین ساعتوں میں کاروبار کا آغاز کیا جائے؛ اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے صبح کے وقت کیے جانے والے کاموں میں برکت کی دعا فرمائی ہے، خود رسول اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ جب بھی آپ ﷺ چھوٹا دستہ یا بڑا لشکر روانہ کرتے تو دن کے ابتدائی وقت روانہ فرماتے، روایت میں ہے:

”حضرت صخر رضی اللہ عنہ ایک تاجر تھے، جب وہ اپنے آدمیوں کو تجارت کے لیے روانہ کرتے تو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ کرتے تھے، جس کی وجہ سے وہ صاحبِ ثروت ہوے اور ان کے پاس مال کی کثرت وفراوانی ہوگئی“

آج مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ صبح سویرے ہی سے تجارت وغیرہ کا آغاز کریں، اس طرح

سنت پر عمل ہوگا اور برکت کا ذریعہ بھی، ہندوستان یا وہ ممالک جہاں اس کا رواج نہیں ہے، ان جگہوں میں صبح دکان کھولنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، تاہم سنتوں پر عمل کا اور غیب سے سامان فروخت ہونے کا انتظام ہوگا اور اگر تمام مسلمان مل کر اس پر عمل شروع کردیں تو خود بخود صبح کاروبار شروع ہونے کا ماحول بن جائے گا، یا ایسی جگہ جہاں تجارت یا کوئی بھی عمل صبح کی اولین ساعت میں شروع کیا جاسکتا ہے، وہاں اس حدیث پر ضرور عمل کرنا چاہیے۔

اب تک جن باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ان کا تعلق دنیوی تجارت سے تھا، ایک مسلمان کو دنیوی تجارت اور کاروبار سے زیادہ آخرت کی اس تجارت کی طرف توجہ دینی چاہیے جس کا نفع ابدی اور لازوالی ہے، جس پر کبھی فنائیت طاری نہیں ہوگی، جس کی طرف خود اللہ تعالیٰ نے رہنمائی کی ہے اور اس کے ذریعہ جہنم کے دردناک عذاب سے نجات پانے کی تلقین کی ہے:

﴿یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ہَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ o تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاہِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (الصف: ۱۰ - ۱۱)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچائے؟ ایمان لاؤ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو“

اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ دنیوی تجارت بھی اسلامی اصول وضوابط کے مطابق انجام دیں! اس لیے کہ ایمان والے اسلامی اصول کے پابند ہیں، اگر تجارت قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائے گئے اصول کے مطابق انجام دیں تو یہ اسلامی تجارت کہلائے گی اور دنیوی سرگرمیاں بھی فکر آخرت کی دائرے میں شامل ہوجائیں گی، آج ہم اپنے کاروبار کا جائزہ لیں، کیا ہماری تجارت، دکانیں اور اقتصادی سرگرمیاں بتائے گئے اصول کے مطابق ہیں؟ آج ہر آدمی کی خواہش مال و دولت جمع کرنا ہے، خواہ وہ حلال راستے سے ہو یا حرام طریقے پر، جس کے سبب مسلمان گھروں سے روحانیت ختم ہوگئی ہے، مال کی کثرت کے باوجود زندگی اور عمل میں خیر و برکت نہیں، حقیقی سکون اور قلبی طمانینت سے ہم محروم ہیں، اگر آپ چاہتے ہیں کہ روح کو بالیدگی اور قلب کو سکون ملے، پُر لطف زندگی آپ کو پیاری ہے تو اسلامی تجارت کو اپنایئے اور اسی کے ساتھ اس تجارت کو کبھی ذہنوں سے اوجھل نہ ہونے دیجیے جو جہنم کی جھلسا دینے والی آگ سے نجات دلانے والی ہے کہ یہی کامیابی حقیقی کامیابی اور لازوال عیش ہے۔

# جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازوں کو اکٹھے پڑھنے کا حکم

از: محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

نماز کی وقت پر ادائیگی سے متعلق آیات قرآنیہ اور متواتر احادیث کی روشنی میں مفسرین، محدثین، فقہاء وعلماء کرام کا اتفاق ہے کہ فرض نماز کو اس کے متعین اور مقرر وقت پر پڑھنا فرض ہے اور بلا عذر شرعی مقرر وقت سے مقدم ومؤخر کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

**نماز کو وقت پر پڑھنے سے متعلق چند آیات:**

اِنَّ الصَّلَاۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَّوْقُوْتاً (سورۃ النساء ۱۰۳) بے شک نماز اہلِ ایمان پر مقررہ وقتوں میں فرض ہے۔

حَافِظُوا عَلَی الصَّلَوَاتِ (سورۃ البقرۃ ۲۳۸) نمازوں کی حفاظت کرو۔ مفسر قرآن علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وقت پر نمازوں کو ادا کرنے کی حفاظت کا حکم فرماتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلَی صَلَوَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ (سورۃ المعارج ۳۴) اور وہ لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مفسر قرآن ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ لوگ نماز کے اوقات، ارکان، واجبات اور مستحبات کی حفاظت کرتے ہیں۔

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ (سورۃ الماعون ۴ و ۵) سو ان نمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز میں کاہلی کرتے ہیں۔ مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ وقت پر نماز کی ادائیگی نہ کرنا اس آیت کی وعید میں داخل ہے۔

قرآن کریم (سورۃ النساء آیت ۱۰۲) میں نماز خوف کی کیفیت اور اس کے اصول وآداب بیان کیے گئے ہیں۔ متعدد احادیث میں نمازِ خوف کی کیفیت بیان کی گئی ہے، جن سے واضح ہوتا ہے کہ میدانِ جنگ میں اور عین جنگ کے وقت صرف نماز کی کیفیت میں تخفیف کی گنجائش ہے؛

لیکن وقت کو نظر انداز کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ امکانی حد تک وقت کی پابندی ضروری ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کفار سے جنگ ہورہی ہو اور اس وقت ذرا سی کاہلی بھی شکست کا سبب بن سکتی ہے تو اس موقع پر بھی دو نمازوں کو جمع کرکے یعنی ایک کا وقت ختم ہونے کے بعد یا دوسرے کا وقت داخل ہونے سے قبل پڑھنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ نماز کو وقت پر ادا کیا جائے گا، ورنہ وقت کے نکلنے کے بعد اس کی قضا کرنی ہوگی، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر وقت پر ادائیگی نہ کرنے پر نماز کی قضا کی تھی۔

## نماز کو وقت پر پڑھنے سے متعلق چند احادیث نبویہ:

نماز کے اوقات سے متعلق متعدد احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا۔ انھوں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ماں باپ کی خدمت کرنا۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

اسی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت والی حدیث متعدد صحابۂ کرامؓ سے مروی ہے جس میں مذکور ہے کہ ۲ روز حضرت جبرئیل علیہ السلام نے امامت فرماکر حضورِ اکرم ﷺ کو نماز پڑھائی۔ پہلے دن ہر نماز اول وقت میں پڑھائی اور دوسرے دن آخر وقت میں پڑھائی، پھر فرمایا کہ ہر نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔ (ابوداود، ترمذی)

حضور اکرم ﷺ ہمیشہ نماز کو وقت پر ادا فرماتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احزاب میں ایک روز شدتِ جنگ کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی نماز عصر فوت ہوگئی۔ آپ ﷺ نے غروبِ آفتاب کے بعد اس کی قضا پڑھی اور کفار کے خلاف سخت الفاظ میں بددعا فرمائی کہ ان لوگوں نے ہمیں نماز عصر سے مشغول رکھا، اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ (صحیح بخاری باب غزوہ الخندق، صحیح مسلم)

غور فرمائیں کہ حضورِ اکرم ﷺ نے طائف کے سفر میں جب کہ آپ کو لہولہان کردیا گیا تھا، فرشتہ نے آپ کے سامنے حاضر ہوکر ان کو کچلنے کی پیش کش بھی کی مگر رحمۃ للعالمین نے ان کے لیے ہدایت کی ہی دعا فرمائی؛ مگر غزوۂ احزاب میں کفار کی مزاحمت کی وجہ سے نماز کے قضا ہوجانے پر

آپ ﷺ کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ ان کے خلاف سخت سے سخت الفاظ میں بددعا فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے بغیر کسی عذر کے دو نمازوں کو جمع کرکے پڑھا اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔ (ترمذی باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین)

اس حدیث کے ایک راوی کو امام ترمذیؒ نے ضعیف کہا ہے؛ تاہم قرآن وحدیث کے دیگر نصوص سے اس حدیث کے مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ نیز امام حاکمؒ نے ان کو قوی تسلیم کیا ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ نماز میں کوتاہی یہ ہے کہ ایک نماز کو دوسرے نماز کے وقت تک مؤخر کردیا جائے۔ (صحیح مسلم باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ)

## جمع بین الصلاتین:

قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ہی ادا کرنا چاہیے۔ یہی شریعت اسلامیہ میں مطلوب ہے، پوری زندگی اسی پر عمل کرنا چاہیے اور اسی کی دعوت دوسروں کو دینی چاہیے؛ لیکن اگر کوئی شخص سفر یا کسی شرعی عذر کی وجہ سے دو نمازوں کو اکٹھا کرنا چاہے تو اس سلسلہ میں فقہاء وعلماء کرام کا اختلاف ہے۔ فقہاء وعلماء کرام کی ایک جماعت نے سفر یا موسلا دھار بارش کی وجہ سے ظہر وعصر میں جمع تقدیم وجمع تاخیر اسی طرح مغرب وعشاء میں جمع تقدیم وجمع تاخیر کی اجازت دی ہے؛ لیکن فقہاء وعلماء کرام کی دوسری جماعت نے احادیث نبویہ کی روشنی میں حقیقی جمع کی اجازت نہیں دی ہے۔ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے مشہور تابعی وفقیہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ ہندوپاک کے علماء کا بھی یہی موقف ہے۔ فقہاء وعلماء کی یہ جماعت، اُن احادیث کو جن میں جمع بین الصلاتین کا ذکر آیا ہے، ظاہری جمع پر محمول کرتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کی نماز آخری وقت میں اور عصر کی نماز اوّلِ وقت میں ادا کی جائے، مثلاً ظہر کا وقت ایک بجے سے چار بجے تک ہے اور عصر کا وقت چار بجے سے غروب آفتاب تک تو ظہر کو چار بجے سے کچھ قبل اور عصر کو چار بجے پڑھا جائے۔ اس صورت میں ہر نماز اپنے اپنے وقت کے اندر ادا ہوگی؛ لیکن صورت وعمل کے لحاظ سے دونوں نمازیں اکٹھی ادا ہوں گی، اسی طرح مغرب کی نماز آخری وقت میں اور عشاء کی نماز اوّلِ وقت میں پڑھی جائے، اس کو جمع ظاہری یا جمع صوری یا جمع عملی کہا جاتا ہے۔ اس طرح تمام احادیث پر عمل بھی ہوجائے گا اور

قرآن وحدیث کا اصل مطلوب ومقصود (یعنی نماز کی وقت پر ادائیگی) بھی ادا ہوجائے گا۔

## مؤخر الذکر قول چند اسباب کی وجہ سے زیادہ راجح ہے

(۱) نماز کے اوقات کی تحدید قطعی فرض ہے جو قرآن کریم کی بعض آیات ومتعدد متواتر احادیث سے ثابت ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع ہے۔ جمع بین الصلاتین دو نمازوں کو اکٹھی پڑھنے سے متعلق احادیث اخبار آحاد ہیں۔ قرآنی آیات اور متواتر احادیث کا اگر بظاہر تعارض خبر آحاد سے ہو تو خبر آحاد میں تاویل کرنی چاہیے، لہٰذا ان اخبار آحاد کو جمعِ ظاہری (یعنی نماز ظہر کو آخر وقت میں اور نماز عصر کو اوّل وقت میں ادا کیا جائے) پر محمول کیا جانا چاہیے؛ تاکہ کسی طرح کا تعارض بھی نہ رہے اور تمام احادیث پر عمل بھی ہوجائے۔

(۲) بعض احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے زندگی میں حقیقی جمع بین الصلاتین صرف دوبار حج کے موقع پر کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بے وقت نماز پڑھتے نہیں دیکھا (یعنی آپ ﷺ ہمیشہ وقت پر نماز پڑھتے تھے)؛ مگر (حجۃ الوداع میں) مغرب وعشاء کو مزدلفہ میں اکٹھے پڑھا (یعنی عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء اکٹھی پڑھیں)۔ (صحیح بخاری، کتاب الحج، من یصلی الفجر بجمع ۔۔۔۔ صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ نماز وقت پر پڑھتے تھے؛ لیکن (حجۃ الوداع میں) آپ ﷺ نے عرفات میں ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں جمع کرکے پڑھا اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو عشاء کے وقت میں جمع کرکے پڑھا۔ (نسائی)

حجاج کرام کے لیے عرفات (مسجد نمرہ) میں ظہر وعصر کی حقیقی جمع اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی حقیقی جمع متواتر احادیث سے ثابت ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع ہے؛ لیکن حضور اکرم ﷺ نے عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ کبھی بھی حقیقی جمع کی صورت میں دو نمازوں کو اکٹھا کرکے نہیں پڑھا، جیسا کہ احادیث بالا میں مذکور ہے۔

(۳) بعض احادیث کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دو نمازوں کو جمع کرکے پڑھنے سے متعلق احادیث کا تعلق جمع ظاہری سے ہے، مثلاً:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سفر میں ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کرتے تھے، مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کرتے تھے۔ (مسند امام احمد، طحاوی، مستدرک حاکم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (ایک سفر میں) غروبِ شفق سے قبل سواری سے اترے، مغرب کی نماز پڑھی پھر انتظار کیا، غروب شفق کے بعد عشاء کی نماز ادا کی پھر فرمایا حضور اکرم ﷺ کو جب (سفر میں) جلدی ہوتی تو آپ ﷺ اسی طرح عمل فرماتے جیسے میں نے کیا ہے۔ (ابوداود، باب الجمع بین الصلاتین۔ دارقطنی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک کے سفر میں نکلے تو حضورِ اکرم ﷺ ظہر وعصر کو اس طرح جمع کرتے، ظہر کو آخری وقت میں اور عصر کو اول وقت میں پڑھتے۔ (طبرانی اوسط)

حضرت ابوعثمان نہدیؒ فرماتے ہیں کہ وہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کوفہ سے مکہ مکرمہ سفرِ حج پر جارہے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ظہر وعصر کو اس طرح جمع کرتے کہ ظہر کو مؤخر کرتے اور عصر کو مقدم کرتے پھر دونوں کو اکٹھا ادا کرتے، مغرب کو مؤخر کرتے اور عشاء کو مقدم کرتے، پھر دونوں کو اکٹھا ادا کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ باب من قال تجمع المسافر بین الصلاتین)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا؛ حالانکہ یہ کسی خطرہ یا سفر کی حالت نہ تھی۔ حضرت ابوالزبیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعیدؒ سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت سعیدؒ نے جواب دیا کہ میں نے بھی یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھی تھی تو انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کا مقصد تھا کہ لوگ تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔ (صحیح مسلم، الجمع بین الصلاتین فی الحضر)

اس حدیث میں جمع بین الصلاتین سے مراد ظاہری جمع ہے یعنی ظہر کو اس کے آخر وقت میں اور عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھا۔ محدثین کرام حتی کہ علامہ شوکانیؒ نے بھی اس حدیث سے جمع صوری ہی مراد لیا ہے۔

ان تمام احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوا ہے کہ ظاہری جمع جائز ہے؛ لیکن حقیقی جمع صرف دو جگہوں پر ہے۔

(۴) حدیث کے پورے ذخیرہ میں حضور اکرم ﷺ کے عمل سے صرف اُنھیں دو نمازوں کے جمع کرنے کا ثبوت ملتا ہے جن کے اوقات آپس میں ملتے ہیں اور درمیان میں مکروہ وقت بھی نہیں ہے، جن کی وجہ سے ظاہری جمع پر عمل ہوسکتا ہے اور وہ صرف ظہر وعصر یا مغرب وعشاء کی

نمازیں ہیں۔ باقی جن نمازوں کے اوقات باہم متصل نہیں ہیں، جیسے فجر وظہر یا اوقات تو متصل ہیں؛ لیکن درمیان میں مکروہ وقت ہے، جیسے عصر ومغرب یا عشاء وفجر کہ نصف شب کے بعد عشاء کا مکروہ وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اگر حقیقی جمع جائز ہوتی تو پھر ظہر وعصر یا مغرب وعشاء کے ساتھ ہی خاص نہ ہوتی؛ بلکہ عشاء وفجر یا فجر وظہر میں حقیقی جمع جائز ہوتی، اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، معلوم ہوا کہ جن احادیث میں سفر وغیرہ کی وجہ سے دو نمازوں کے اکٹھے پڑھنے کا ذکر ہے اس سے مراد ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے اوّل وقت میں ادا کرنا ہے۔

(۵) بعض احادیث میں آتا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے بعض دفعہ سفر یا خوف یا بارش کے عذر کے بغیر بھی دو نمازوں کو اکٹھا کرکے پڑھا۔ اگر دو نمازوں کی حقیقی جمع جائز ہوتی تو ان احادیث کی وجہ سے بغیر کسی عذر کے بھی دو نمازوں کو حقیقی جمع کرکے پڑھنا جائز ہوتا؛ حالانکہ اہل السنۃ والجماعۃ میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اس طرح کی احادیث سے مراد ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے اوّل وقت میں ادا کرنا ہے۔ غزوۂ تبوک کے طویل سفر میں یہی صورتِ عمل تھی کہ سفر بہت طویل تھا، موسم سخت گرم تھا، طہارت ووضو کے لیے پانی کی قلت تھی، اسلامی فوج کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی اتنے بڑے لشکر کا ان مذکورہ حالات میں بار بار اترنا اور سوار ہونا انتہائی مشکل تھا؛ اس لیے ظاہری جمع پر عمل کیا گیا یعنی ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے اوّل وقت میں ادا کیا گیا۔

غرضے کہ نماز کو وقت پر ہی ادا کرنا چاہیے سوائے ۹ ذی الحجہ کو مسجد نمرہ (عرفات) میں ظہر وعصر کی ادائیگی ظہر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی ادائیگی عشاء کے وقت میں؛ لیکن اگر کوئی عذر شرعی ہے، مثلاً سفر میں ہیں اور بار بار رکنا دشواری کا سبب ہے تو دو نمازیں ظاہری جمع کرکے ادا کرلی جائیں یعنی ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے اوّل وقت میں ادا کرلیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو وقت پر نماز کا اہتمام کرنے والا بنائے اور نماز میں کوتاہی کی تمام شکلوں سے حفاظت فرمائے، آمین۔

❁ ❁ ❁

# مادیت کا فتنہ اور اس کا علاج

از: محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ

آج کل دنیا طرح طرح کے فتنوں کی آماج گاہ بنی ہوئی ہے، ان سب فتنوں میں ایک بنیادی اور بڑا فتنہ ''پیٹ'' کا ہے، شکم پروری وتن آسانی زندگی کا اہم ترین مقصد بن کر رہ گیا ہے، ہر شخص کا شوق یہ ہے کہ لقمہ تر اس کی لذت کام ودہن کا ذریعہ بنے اور یہ فتنہ اتنا عالم گیر ہے کہ بہت کم افراد اس سے بچ سکے ہیں، تاجر ہو یا ملازم، اسکول کا ٹیچر ہو یا کالج کا پروفیسر، دینی درس گاہ کا مدرّس ہو یا مسجد کا امام، اس آفت میں سب ہی مبتلا نظر آتے ہیں، ہاں! فرقِ مراتب ضرور ہے، زہد وقناعت، ورع وتقویٰ اور اِخلاص و اِیثار، جیسے اخلاق وفضائل اور ملکات کا نام ونشان نہیں ملتا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج پورا عالم ساز وسامان کی فراوانی کے باوجود حرص وآز، طمع ولالچ اور زرطلبی وشکم پروری کی بھٹی میں جل رہا ہے اور کرب واضطراب، بے چینی وبے اطمینانی اور حیرت وپریشانی کا دھواں چہار سمت پھیلا ہوا ہے۔

دراصل اس فتنۂ جہاں سوز کا بنیادی سبب یہی ہے، جس کی نشان دہی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، آخرت کا یقین بے حد کمزور اور آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کا تصور تقریباً ختم ہو چکا ہے، مادی نعمتیں اور ان کا تصور اس قدر غالب ہے کہ روحانی قدریں مضمحل ہو چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج انسانوں کی چھوٹائی، بڑائی، عزت وذلت اور بلندی وپستی کی پیمائش ''ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم'' کے پیمانے سے نہیں ہوتی، بلکہ ''پیٹ اور جیب'' کے پیمانے سے ہوتی ہے، مادیت کے اس سیلاب میں پہلے ایمان ویقین رُخصت ہوا، پھر انسانی اخلاق ملیامیٹ ہوئے، پھر اسوۂ نبوت سے وابستگی کمزور ہو کر ''اعمالِ صالحہ'' کی فضا ختم ہوئی، پھر معاشرت ومعاملات کی گاڑی لائن سے اتری، پھر سیاست وتمدن تباہ ہوا اور اب مادیت کا یہ طوفان انسانیت کو بہیمیت کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے، انفرادی بے اصولی اور آوارگی وبے راہ روی اور بے رحمی وشقاوت کا وہ

دوردورہ ہے کہ الامان والحفیظ.

الغرض اس ''پیٹ'' کے فتنے نے ساری دنیا کی کایاپلٹ ڈالی ہے، دنیا بھر کے عقلاء ''پیٹ'' کی فتنہ سامانی کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں وہ اس فتنہ کے ہول ناک نتائج کا تدارک بھی کرنا چاہتے ہیں، مگر صدحیف کہ علاج کے لیے ٹھیک وہی چیز تجویز کی جاتی ہے جو خود سبب مرض ہے، درحقیقت انبیا علیہم السلام ہی انسانیت کے نباض ہیں اور انھیں کا تجویز کردہ علاج اس مریض کے لیے کارگر ہوتا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہول ناک مرض کی صحیح تشخیص بہت پہلے فرمادی تھی، چناں چہ ارشاد فرمایا:

''واللّٰہ لا الفقر أخشیٰ علیکم ولکن أخشیٰ علیکم أن تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا فتھلککم کما اھلکتھم''.

(سحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب من یحذر من زھرة الدنیا والتنافس فیھا، ج:۲، ص:۹۵۱، ط: قدیمی. الصحیح لمسلم، کتاب الزھد ج:۲، ص:۴۰۷، ط: قدیمی)

''بخدا! مجھے تم پر فقر کا اندیشہ قطعاً نہیں، بلکہ اندیشہ ہے کہ تم پر دنیا پھیلائی جائے، جیسا کہ تم سے پہلوں پر پھیلائی گئی، پھر تم پہلوں کی طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو، پھر اس نے جیسے ان کو برباد کیا، تمہیں بھی برباد کرڈالے۔'' (بخاری ومسلم)

لیجیے! یہ تھا وہ نقطۂ آغاز، جس سے اِنسانیت کا بگاڑ شروع ہوا، یعنی دنیا کو نفیس اور قیمتی چیز سمجھنا اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس پر جھپٹنا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشخیص پر ہی اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ اس کے لیے ایک جامع نسخۂ شفا بھی تجویز فرمایا، جس کا ایک جز اعتقادی ہے اور دوسرا عملی۔

اعتقادی جز یہ ہے کہ اس حقیقت کو ہر موقع پر مستحضر رکھا جائے کہ اس دنیا میں ہم چند لمحوں کے مہمان ہیں، یہاں کی ہر راحت وآسائش بھی فانی ہے اور ہر تکلیف ومشقت بھی ختم ہونے والی ہے، یہاں کے لذائذ وشہوات، آخرت کی بیش بہا نعمتوں اور ابدالآباد کی لازوال راحتوں کے مقابلہ میں کالعدم اور ہیچ ہیں۔ قرآن کریم اس اعتقاد کے لیے سراپا دعوت ہے اور سیکڑوں جگہ اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے۔ سورۃ اعلیٰ میں نہایت بلیغ مختصر اور جامع الفاظ میں اس پر متنبہ فرمایا: ''بل تؤثرون الحیوٰة الدنیا والآخرة خیر و أبقی'' (کان کھول کر سن لو! کہ تم آخرت کو

اہمیت نہیں دیتے) بلکہ دنیا کی زندگی کو (اس پر) ترجیح دیتے ہو؛ حالاں کہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور لازوال ہے۔“ (سورۂ اعلیٰ:۱۶،۱۷)

اور عملی حصہ اس نسخہ کا یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی تیاری میں مشغول ہوا جائے اور بطورِ پرہیز کے حرام اور مشتبہ چیزوں کو زہر سمجھ کر ان سے کلی پرہیز کیا جائے اور یہاں کے لذائذ وشہوات میں انہماک سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، دنیا کا مال واسباب، زن وفرزند، خویش واقربا اور قبیلہ و برادری کے سارے قصے زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت سمجھ کر صرف بقدرِ ضرورت ہی اختیار کیے جائیں، ان میں سے کسی چیز کو بھی دنیا میں عیش وعشرت اور لذت وتنعم کی زندگی گزارنے کے لیے اختیار نہ کیا جائے اور نہ یہاں کی عیش کوشی کو زندگی کا مقصد اور موضوع بنایا جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

”ایاك والتنعم فان عباد الله لیسوا بالمتنعمین“ (مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب فضل الفقراء ج:۲، ص:۴۴۹، ط: قديمی) ”عیش وعشرت سے پرہیز کرو؛ کیوں کہ اللہ کے بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔“

تعجب ہے کہ اگر کسی ڈاکٹر کی رائے ہو کہ دودھ، گھی، گوشت، چاول وغیرہ کا استعمال مضر ہے تو اس کے مشورے اور اشارے سے تمام نعمتیں ترک کی جاسکتی ہیں؛ لیکن خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور وحی آسمانی کے صاف احکام پر ادنیٰ سے ادنیٰ لذت کا ترک کرنا گوارا نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل واصحاب کرامؓ کی زندگی اور معیارِ زندگی کو اوّل سے آخر تک دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی نعمتوں سے دل بستگی سراسر جنون ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قصہ مروی ہے کہ کچھ لوگوں پر ان کا گزر ہوا، جن کے سامنے بھنا ہوا گوشت رکھا تھا، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھانے کی دعوت دی، آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا: ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔“ (صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ یاکلون، ج:۲، ص:۸۱۵، ط: قدیمی) مہینوں پر مہینے گزر جاتے؛ مگر کاشانۂ نبوت میں نہ رات کو چراغ جلتا، نہ دن کو چولہا گرم ہوتا، پانی اور کھجور پر گزر بسر ہوتی، وہ بھی کبھی میسر آتیں، کبھی نہیں، تین تین دن کا فاقہ ہوتا، کمر سیدھی رکھنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھے جاتے اور اسی حالت میں جہاد وقتال کے معرکے ہوتے۔ الغرض زہد وقناعت، فقر وفاقہ، بلند ہمتی و جفاکشی اور دنیا کی آرائشوں سے

بے رغبتی اور نفرت و بے زاری سیرتِ طیبہ کا طغرائے امتیاز تھی، اپنی حالت کا اس ''پاک زندگی'' سے مقابلہ کرنے کے بعد ہم میں سے ہر شخص کو شرم آنی چاہیے۔ ہمارے یہاں سارا مسئلہ روٹی اور پیٹ کا ہے اور وہاں یہ سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ زندگی بالقصد اختیار کی گئی تھی؛ تاکہ آئندہ نسلوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آپ کو من جانب اللہ کیا کچھ نہ دیا جاسکتا تھا؟ مگر دنیا کا یہ ساز وسامان، جس کے لیے ہم مرکھپ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس قدر حقیر و ذلیل ہے کہ وہ اپنے محبوب و مقرب بندوں کو اس سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے، بعض انبیا علیہم السلام کو عظیم الشان سلطنت بھی دی گئی؛ مگر ان کے زہد وقناعت اور دنیا سے بے رغبتی اور بے زاری میں فرق نہیں آیا، ان کے پاس جو کچھ تھا، دوسروں کے لیے تھا، اپنے نفس کے لیے کچھ نہ تھا۔

الغرض یہ ہے ''فتنہ پیٹ'' کا صحیح علاج، جو انبیا علیہم السلام اور بالخصوص سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا اور اگر انسان ''پیٹ کی شہوت'' کے فتنہ سے بچ نکلے تو ان شاء اللہ ''شہوتِ فرج'' کے فتنہ سے بھی محفوظ رہے گا کہ یہ خرمستی پیٹ بھرے آدمی کو ہی سوجھتی ہے، بھوکا آدمی اس کی آرزو کب کرے گا؟ ان ہی دو شہوتوں سے بچنے کا نام اِسلام کی اِصطلاح میں ''تقویٰ'' ہے، جس پر بڑی بڑی بشارتیں دی گئی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ضعیف مریض کو بقائے حیات کے لیے ہلکی پھلکی، معمولی غذا کا مشورہ دیا جاتا ہے اور زبان کے چسکے سے بچنے کی سخت تاکید کی جاتی ہے؛ تاکہ مطلوبہ اعلیٰ ''صحت'' نصیب ہو، بس یہی حیثیت اِسلام کی نظر میں دنیا کی ہے۔

(بصائر وعبر جلد اوّل، ص: ۱۱۰ تا ۱۱۳)

❁ ❁ ❁

# عصر حاضر کا فتنۂ الحاد

از: محمد فاروق، کراچی

اسلام کا نام لے کر اسلام کو ڈسنا، اسے تحریفی نشتر لگانا، اس پر جرح وتنقید کی مشق کرنا اور محض مفروضات سے اُس کے قطعی مسائل کو پامال کرنا ہر دور کے ملاحدہ وزنادقہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ پہلی صدی کے خوارج ہوں یا مابعد کے باطنیہ، تیسری صدی کے اصحاب العدل والتوحید ہوں یا دورِ حاضر کے ''ارباب فکرونظر''، دوسری صدی کا ابن المقفع ہو یا چودھویں صدی کا اسلم جیراجپوری، اکبری دور کے ابوالفضل اور فیضی ہوں یا ہمارے دور کے جاوید غامدی، ماضی قریب کے ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور عمر احمد عثمانی ہوں یا آج کا عمار خان ناصر، سب کا مشترک مقصد، مشترک نقطۂ نظر اور مشترک سرمایہ اسلام کی چاردیواری میں رخنہ اندازی کرنا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ اسلام کی اصل روح پہلی صدی کے وسط یا تقریبا آخر میں دفن ہوکر رہ گئی۔ اور اب جو ''مدونِ اسلام'' تیرہ یا چودہ صدیوں سے مسلمانوں کے پاس موجود ہے، یہ وہ اسلام نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا؛ بلکہ یہ اسلام ''مردہ کا ورثہ'' اور ''زندگی کی حرارت'' سے محروم جسد بے روح ہے۔ نعوذ باللہ۔ (۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے امت محمدیہ سے اجتماعی عذاب اُٹھالیا ہے۔ یعنی اب اس امت پر کوئی ایسا عذاب نہیں آئے گا کہ جس سے پوری امت ہلاک وبرباد ہوجائے؛ لیکن اہل ایمان کے امتحان اور آزمائش کے لیے فتنے برابر پیدا ہوتے رہیں گے؛ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''کل شئ ینقص، إلا الشر، فإنه یزاد فیه.'' ہر چیز میں کمی ہوگی لیکن شر (وفتن) میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔ (۲)

''فتنہ'' عربی زبان کا لفظ ہے، جو متعدد معانی کے لیے قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ لیکن معروف معنی دنگا فساد ہی ہے۔ اور اسی معنی میں یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے۔ روزمرہ کی

گفتگو میں بھی ’’فتنہ وفساد‘‘ وغیرہ الفاظ ہم استعمال کرتے رہتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق امت محمدیہ مسلسل فتنوں کا شکار رہے گی۔

آج نقشۂ عالم پر نگاہ دوڑائیے! حرمین شریفین سے لے کر تمام عرب ممالک، ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکہ سبھی خطے شرور وفتن کی لپیٹ میں ہیں۔ آفات ومصائب کا ایک عالمی طوفان ہے جو بڑھتا چلا جارہا ہے، فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں، دینی وعلمی فتنے، ملکی وقومی فتنے، تہذیب وتمدن کے فتنے، آرائش وآسائش کے فتنے، سرمایہ داری کے فتنے، غربت وافلاس کے فتنے، اخلاقی وسیاسی فتنے، عقل پرستی کے فتنے، داخلی وخارجی فتنے حتیٰ کے نورانی اور روحانی فتنے۔ ایک تسلسل کے ساتھ تمام فتنے دنیا میں پھیلتے چلے جارہے ہیں، دنیا کا کوئی بھی خطہ شاید ایسا نہیں جو فتنوں سے بالکلیہ محفوظ اور مامون ہو۔

اور انتہائی کرب ناک صورت حال یہ ہے کہ دشمنان اسلام کی سازشوں کے نتیجے میں عالم اسلام فتنوں کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ اسلام کے نام پر فتنے، اسلامی عقائد اور اسلامی اعمال میں فتنوں کی ایک شورش برپا ہے۔ فریق مخالف کے خلاف کفر وضلال کی مشین گن تھامے ہر کوئی اسلام کا ٹھیکیدار نظر آتا ہے۔ یورپ سے درآمد شدہ دانشور مسلمانوں کے ایمان کو ختم یا کم از کم کمزور کرنے کے لیے آئے دن ’’نئی تحقیق‘‘ اور ’’جدید ریسرچ‘‘ کے نعرے بلند کررہے ہیں۔ قلمی جولانیاں، زبان کی سلاست وروانی، چرب لسانی کے ذریعے اذہان وعقول کو متاثر کرکے احکام دین سے باغی کرنا ان کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ اُن سے اور کچھ نہ بن پڑے تو اچھے بھلے مسلمان کو اس کے عقائد وافکار کے حوالے سے شک میں تو ڈال ہی دیتے ہیں۔ اور یہ سب اِس وجہ سے ہے کہ ہم مسلمانوں نے اپنے خالق سے بے پروائی اختیار کرلی ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ’’ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا.‘‘ جو ہماری یاد سے منہ موڑے گا اس کی زندگی تنگ ہوجائے گی۔ آج ہماری پستی وذلت کا بڑا سبب یہی ہے کہ ہم نے خالق کائنات سے روگردانی کررکھی ہے۔

فتنوں کی اِس بھرمار میں سب سے خطرناک ایمان سوز فتنے ہیں؛ کیونکہ کسی بھی مسلمان کے لیے سب سے قیمتی چیز ایمان ہے، جب متاعِ ایمان ہی لٹ جائے تو دنیا وآخرت کی سب خیریں گویا چھن گئیں؛ چنانچہ احادیث میں فتنۂ دجال کو بڑا فتنہ قرار دیا گیا؛ کیونکہ وہ ایمان کے لیے خطرناک ہوگا۔ انھیں ایمان سوز فتنوں میں سے ایک ’’فتنہ الحاد‘‘ ہے۔ جس کا معنی: راہِ راست سے

ہٹ جانا، بے دینی اور مذہب بیزاری اختیار کرنا ہے۔ یعنی حق سے منحرف ہوکر اس میں بے بنیاد باتیں داخل کردینا۔ اور دینی احکام کے بارے میں غلط قسم کی تاویلیں کرنا۔ مختصریوں کہہ لیں کہ دین میں تحریف، ردوبدل یا دین کے نام پر دین سے دُوری کا نام اِلحاد ہے۔

اِس فتنۂ الحاد سے اسلام اور اہل اسلام کا واسطہ کوئی نیا نہیں، جب سے اِسلام آیا تب سے اِسلام میں تحریف کرکے لوگوں کو اسلام سے دُور کرنے والے بھی موجود ہیں۔ اُسی زمانے سے ملحدین نے دینی احکام کو کھیل اور مذاق سمجھ کر تاویلاتِ باطلہ کا نشانہ بنائے رکھا۔ اور مسلمانوں کو اُن کے دین سے کاٹنے اور دُور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ علمائے اسلام اپنی شرعی اور دینی ذمہ داری کی بدولت ان فتنوں کا تعاقب کرتے رہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق یہ سلسلہ دراز ہوتا رہا اور آج ہم ان فتنوں کا سامنا کررہے ہیں۔ ماضی قریب میں سرسید احمد خان، غلام احمد پرویز، غلام احمد قادیانی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن، عمر احمد عثمانی، ابوالاعلیٰ مودودی، عنایت اللہ مشرقی اور ان جیسے متجددین اِسی سلسلے کی کڑیاں گزری ہیں۔

دورِ حاضر میں بھی یہ فتنہ مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ سب سے پہلے میں جاوید غامدی صاحب اور ان کے فکری جانشین جناب عمار خان ناصر کا نام لینا چاہوں گا؛ کیونکہ یہ وہ شخصیات ہیں جنھوں نے دین کی ازسرِنو تشکیل کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اور اللہ کے نازل کردہ دین میں سے صحابۂ کرام سے لے کر آج تک کی چودہ صدیوں کے علماء، فقہاء، محدثین ومفسرین کے آراء کے برخلاف ''جو کچھ'' غامدی صاحب کے سمجھ آسکا، وہ انھوں نے اپنی کتاب ''میزان'' میں بیان کردیا ہے۔ (۳)

غامدی صاحب نے تشکیل جدید میں پہلا حملہ قرآن پاک پر کیا کہ قرآن سمجھنے کے لیے صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے ''عربی دانی''۔ قرآن سمجھنے کے لیے نہ کسی تفسیر کی پابندی ضروری ہے نہ تشریحات سلف کی پیروی(۴) اور ''سنت'' کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ: ''سنت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے افعال وعادات نہیں؛ بلکہ ''دین ابراہیمی کی روایت'' ہے، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا۔ نیز سنت کو سمجھنے کے لیے دین ابراہیمی کے حاملین (یہود ونصاریٰ) کے عمل وتواتر کو دیکھا جائے گا۔ (امت محمدیہ کے تواتر عملی کو نہیں۔)''(۵) اور تیسرا اُصول یہ وضع کیا کہ ''حلت وحرمت اور جواز وعدم جواز کے لیے مدار شریعت نہیں، ''فطرت'' اور عقل انسانی ہے۔''(۶) اِن اُصولِ ثلاثہ سے دین کا کوئی جز بچتا نظر آئے، مثلاً حدود وتعزیرات

اور اِقدامی جہاد وغیرہ تو اُس کے بندوبست کے لیے ''قانونِ اتمام حجت'' نامی اصطلاح معرضِ وجود میں لائی گئی۔

لیجیے! قرآن مجید کی تمام تر تفاسیر سے بھی آزادی ملی، سنت کے نام پر ''ملاں لوگ'' جو قیود لگاتے ہیں اُن سے بھی جان چھوٹی اور ''شریعت'' کے گورکھ دھندے سے بھی خلاصی ہوئی۔ اَب غامدی صاحب ہیں اور قرآن کی آیات۔ اپنی ''عربی دانی'' کی بنیاد پر جس آیت کی جو چاہیں تشریح کریں۔ غامدی صاحب ہیں اور ''دین ابراہیمی کی روایات''۔ لہٰذا سنتوں کی تعداد سمٹ کر ۲۷/رہ گئی۔ غامدی صاحب ہیں اور ان کی ''فطرت سلیمہ''۔ لہٰذا اپنی فطرت سے سوال کرکے، جسے چاہیں حلال قرار دیں اور جسے چاہیں حرام۔ رہی سہی کسر ''قانون اتمام حجت'' پوری کردے گا۔ رہے نام ملتِ غامدیہ کا۔۔!!

اِسی اُصول کے پیش نظر اُنہوں نے حیات عیسیٰ، ظہورِ مہدی، حجیت حدیث، ڈاڑھی کی سنیت، حجیتِ اجماع، رجم کی حد، قرآن کریم کی مختلف قراآت، تصوف، مسلم وغیر مسلم اور مرد وعورت کی گواہی میں فرق، زکوۃ کے معین نصاب اور نبی کریم کی افعال واعمال کی سنیت کا انکار کردیا کہ ''قرآن اِن سے خاموش ہے۔'' اور موسیقی، تصویر، بیمہ وغیرہ کو اس لیے جائز قرار دیدیا کہ ''قرآن اِن سے منع نہیں کرتا۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیکڑوں سنتوں کا اِنکار اِس بنا پر کردیا کہ ''دین ابراہیمی کی روایت نہیں۔'' اور کھانے کی چیزوں میں چار چیزوں کے سوا سب کی حرمتِ شرعی کا انکار کردیا کہ ''وہ فطرت پر موقوف ہیں۔''(۷) اور اِقدامی جہاد، مرتد کی شرعی سزا اور مسئلہ تکفیر کو ''قانونِ اتمام حجت'' میں نمٹادیا۔

عمار خان صاحب اکثر مسائل میں تو غامدی صاحب کے بالکل قدم بہ قدم ہیں؛ چنانچہ تفسیر بالرائے، انکارِ اِجماع، انکارِ سزائے ارتداد ورجم، اقدامی جہاد کے انکار اور تصوف واہل تصوف کے استہزاء میں بعینہٖ غامدی اصغر ہیں۔ اور بعض مسائل جن میں وہ سمجھتے ہیں کہ اگر میں نے غامدی صاحب سے اتفاق کیا تو امت کی اجماعی رائے کی روشنی میں دائرہ اسلام سے خارج قرار پاؤں گا تو اُن میں اِنکار کی بجائے تشکیک اور نفس مسئلہ کی اصل حیثیت کو مجروح کرنے کی کوشش کرتے ہیں؛ چنانچہ ڈاڑھی کی شرعی حیثیت، حیات عیسیٰ اور مسئلہ تکفیر وغیرہ مسائل میں وہ اسی راہ پر گامزن ہیں۔(۸)

اِن افکار کا یقینی نتیجہ مذہب بیزاری، دینی تشکیک وتذبذب، تمام امت اسلامیہ کی تجہیل اور

تحمیق اور قدیم علماء امت اور حاملین دین کو ناقابل اعتماد مجرم قرار دینا اور اسلام کی پوری تاریخ تاریک در تاریک دِکھلانا ہے۔ غامدی صاحب کے وضع کردہ فہم دین کے اُصولوں کے نتیجے میں کیا کچھ ہمارے ہاتھ سے جاتا ہے؟ اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر وتشریح میں جو کچھ صاحبِ قرآنؐ نے فرمایا وہ ناقابل اعتبار ٹھہرا کہ ''قرآن سمجھنے کا مدار فقط ''عربی دانی'' ہے۔'' اقوالِ صحابہ وتابعین، تشریحاتِ مفسرین اور فقہاء کرام کے قرآن سے اخذ کردہ مسائل واحکام سب بیک جنبش قلم ناقابل التفات ٹھہرے۔ سنت رسول اور آثار صحابہ کی پابندی بھی غیر لازم ہوئی کہ ''سنت تو دین ابراہیمی کی روایت ہے۔'' اور اجماع کو تو غامدی صاحب نے صاف لفظوں میں ''بدعت'' اور عمار خان نے ''علمی افسانہ'' لکھ دیا۔ یوں پوری امت مبتدع وافسانوی کردار کی حامل ٹھہری۔ تصوف کو جناب نے ''عالمگیر ضلالت'' قرار دے کر تمام صوفیاء ملت کو ''گمراہی'' کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ یہود ونصاریٰ کے لیے نبی کریم پر ایمان کو غیر ضروری قرار دے کر کلمہ اسلام کی اہمیت ختم کرڈالی۔ الغرض کلمۂ اسلام سے لے کر دین کے معمولی حکم تک سب کو غامدی صاحب نے مردود، ناقابل التفات، یا مشکوک کردیا۔ اور چودہ صدیوں کا اجماعی تعامل اور جمہور اہل علم کا موقف غیر معتبر ٹھہرا۔ اَب دین کو سمجھنے کا واحد ذریعہ عقلِ غامدی اور فطرتِ عمار ہے۔۔!! اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ.

طرفہ تماشا یہ ہے کہ اِس ''تحریف دین'' کا نام ''تحقیقِ اسلام'' اور ''اِلحاد فی الدین'' کا نام ''اظہارِ حقیقت'' رکھا جاتا ہے۔ غامدی وعمار صاحبان کے علاوہ دیگر ملحدینِ زمانہ میں زید حامد، فرحت ہاشمی اور ان جیسے دسیوں پروفیسرز، بیسیوں ڈاکٹرز اور نام نہاد دانشوران شامل ہیں۔ جنھوں نے مختلف ٹی وی چینلز، پرنٹڈ والیکٹرانک میڈیا اور مختلف لیکچرز وانٹرویوز میں آئے دینی احکام کی من پسند تشریحات وتوضیحات کرکے قوم کو گمراہ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ ان سے ہٹ کر اسکولوں کالجوں میں رائج انگریزی کلچر، یہود وہنود کی تہذیب وتمدن بھی اِلحاد پھیلانے میں پیش پیش ہے، اسی کو دیکھ کر علامہ اقبال نے کہا تھا۔

ہم تو سمجھے تھے کہ لائے گی فراخی تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

ابتدا ہی سے بچوں کے گلے میں ٹائی لٹکا کر ان کو عیسائی تہذیب سے مانوس اور اسلامی تہذیب سے بے گانا کیا جاتا ہے، بود وباش، رہن سہن، شکل وصورت، لباس وغیرہ سب کچھ

عیسائیوں کے طرز پر ہے، مخلوط تعلیم ہم نے شروع کر رکھی ہے، بے حیائی اور فحاشی کے حلقے ہمارے گھروں میں لگے ہوئے ہیں، قومی و دینی غیرت کا جنازہ ہم نے نکال رکھا ہے، ہندوؤں کے تہوار ہم نے اپنا رکھے ہیں، اقبال کہتا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
تم مسلماں ہو جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود؟

گویا لادینیت، الحاد، سیکولرازم، لامذہبیت اور دین سے دُوری کی جتنی ممکنہ صورتیں ہیں، کفار نے وہ سب اختیار کر رکھی ہیں، اپنے ایجنٹ اسلامی ممالک میں بھیج کر ہمارے میڈیا پر اُن کو ''اسلامی سکالرز'' باور کرایا ہے؛ حالانکہ اُن کا مقصد اور واحد مقصد مسلمان قوم کو خدا، نبی اور قرآن سے کاٹنا اور دُور کرنا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ والوں، نبی کے وارثوں اور قرآن کے حاملین سے قوم کو بدظن کریں۔ سو اِس کوشش میں دِن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ: یہ اسکالرز ''ناموس رسالت'' کے قانون کے غلط استعمال کا تو بہت واویلا مچاتے ہیں؛ لیکن بیسیوں دیگر قوانین کے غلط استعمال پر ان کی زبانیں گنگ ہوجاتی ہیں۔ شرعی حدود کے نفاذ پر تو چیخ اٹھتے ہیں؛ لیکن ماورائے عدالت قتل اور دیگر انسانیت سوز مظالم پر ان کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں فتنوں سے حفاظت اور پناہ کی دعا مانگتے تھے، وہیں یہ دعا بھی مانگتے تھے کہ یا اللہ! جب تو کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ میں ڈالے بغیر اٹھالینا۔ گویا فتنوں سے حفاظت کے دو طریقے ہیں:

۱- اللہ تبارک وتعالیٰ فتنے کے زمانہ سے پہلے اٹھالے۔

۲- فتنوں کے زمانے میں ہونے کے باوجود اللہ کریم اپنی رحمت سے فتنوں سے محفوظ فرمادے۔ ہم لوگ فتنوں کے زمانے میں موجود ہیں؛ اس لیے پہلی صورت تو ممکن نہیں؛ البتہ دوسری صورت ممکن ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور وہ اپنی رحمت کاملہ سے ہمیں فتنوں سے محفوظ فرمالے۔

خارجی وداخلی فتنوں، آپس کے خلفشار اور باہمی تنازعات سے حفاظت کے لیے ہمیں جو اقدامات کرنے چاہئیں وہ یہ ہیں:

۱- اکابر پر مضبوط اعتماد۔

۲- علماء، فقہاء اور اہلِ دین سے حسنِ ظن۔

۳- کسی صاحبِ نسبت سے گہرا تعلق۔

۴- رجوع الی اللہ کا اہتمام۔

۵- اہل خیر وصلاح سے مشورہ۔

۶- اعتدال پسندی۔

۷- بلا تحقیق بات قبول کرنے یا پھیلانے سے احتراز۔

۸- اکرام واحترام مسلم۔

۹- باہمی اختلاف وانتشار یا اس کے اسباب سے کلی پرہیز۔

علماء ومصلحین کے لیے ایمان وتقویٰ، اخلاص وعمل، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، امت کی اصلاح کے لیے تڑپ، گروہ بندی اور افتراق سے پرہیز.... اور علمی فتنوں کی سرکوبی کے لیے ٹھوس علمِ دین، جدید علمِ کلام، جدید سائنس، معلوماتِ عامہ، حسنِ تحریر، شگفتہ بیانی، سنجیدہ متوازن دماغ، پیہم کوشش اور صالح ومؤثر لٹریچر کا حصول نہایت ضروری ہے۔ واللہ الموفق

❁ ❁ ❁

## حواشی وحوالہ جات:

(۱) فکرونظر ج:۲،ش:۳،ص:۱۵۳۔بحوالہ تجدد پسندوں:۸۔

(۲) مسند احمد، بحوالہ دورِ حاضر کے فتنے اور ان کا۔

(۳) میزان،ص:۱۱،طبع ۲۰۱۴ء۔

(۴) میزان: ۲۵،ط:۲۰۱۴ء۔

(۵) میزان،ص:۱۴...ص:۴۷،ط:۲۰۱۴ء۔

(۶) میزان،ص:۱۴...ص:۵۹،ط:۲۰۱۴ء۔

(۷) حیات عیسیٰ، میزان،ص:۱۷۸، ظہورِ مہدی، میزان،ص:۱۷۸، اقدامی جہاد، اشراق، اپریل ۲۰۱۱ء،ص:۲، حجیت حدیث: میزان،ص:۱۵، ڈاڑھی، مقامات،ص:۱۳۸، اجماع، اشراق، اکتوبر ۲۰۱۱ء،ص:۲، مرتد کی شرعی سزا، اشراق، اگست ۲۰۰۸ء،ص:۶۴، رجم کی حد، برہان،ص:۳۵، قرآت قرآن، اشراق، اکتوبر ۲۰۰۹ء،ص:۶۱، مردوعورت کی گواہی، برہان،ص:۲۵ تا ۳۴، زکوٰۃ کا نصاب، اشراق، جون ۲۰۰۸ء،ص:۶۴، موسیقی وتصویر، اشراق، فروری ۲۰۰۸ء،ص۶۹، بیمہ، اشراق، جون ۲۰۱۰ء،ص:۲۔

(۸) الشریعہ اشاعت خاص، جون ۲۰۱۱ء۔

❁ ❁ ❁

# خیر الکلام فی کشف أوہام الأعلام

(۲)

از: مولانا مفتی عمر فاروق لوہاروی
شیخ الحدیث دارالعلوم، لندن

**یہ عبداللہ بن زید، ابن عبدربہ نہیں؛ بلکہ ابن عاصم المازِنی رضی اللہ عنہما ہیں**

❁ ''صحیح بخاری'' میں ہے:

... عَنْ عبدِ اللّٰهِ بنِ أبی بكرِ بنِ محمدِ بنِ عمروِ بنِ حَزْمٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عبدِ اللّٰهِ بنِ زيدٍ أنّ النبيَّ صلى اللّٰه عليه وسلم تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ. (صحيح بخارى، كتاب الوضوء، باب الوضوء مرتين مرتين، ص:۲۷، ج:۱، قديمى: كراچى)

''...عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، عبّاد بن تمیم سے اور وہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضاءِ وضو کو دو دو مرتب دھویا''۔

شیخ الاسلام زکریا الانصاری (ولادت: راجح قول کے مطابق ۸۲۶ھ، وفات: ۹۲۶ھ)، علامہ قسطلانی (۸۵۱-۹۲۳ھ)، شیخ عبد اللہ بن حجازی الشرقاوی (۱۱۵۰-۱۲۲۷ھ)، نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی (۱۲۴۸-۱۳۰۷ھ) رحمہم اللہ نے اس حدیث کی سند میں وارد عبداللہ بن زید سے عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ کو جنھوں نے اذان والا خواب دیکھا تھا، مراد لیا ہے؛ چنانچہ منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری المسمّٰی بہ تحفۃ الباری ہے (عن عبد الله بن زيد) أى ابن عبد ربّه. (منحة البارى، ص:۴۳۷، ج:۱، الرشد: الرياض)

''ارشاد الساری'' میں ہے:

(عن عبد اللّٰه بن زيد) أى ابن عبد ربّه صاحب رؤيا الأذان رضى اللّٰه عنه. (إرشاد السارى، ص:۳۷۰، ج:۱، العلميه: بيروت)

''فتح المبدى بشرح مختصر الزبيدى'' للشرقاوى میں ہے:

(عن عبد اللّٰه بن زيد) أى ابن عبد ربّه صاحب رؤيا الأذان (رضى اللّٰه عنه).

(فتح المبدی، ص:٢٢٤، ج:١، العلمية: بيروت)

”عون الباری لحلّ أدلة صحيح البخاری“ میں ہے:

(عن عبد اللّٰه بن زيد) بن عبد ربّه صاحب الأذان. (عون الباری، ص:٢٧٠، ج:١، العلمية: بيروت)

بندہ کہتا ہے:

**امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (اصح قول کے مطابق ۲۰۹-۲۷۹ھ) صاحب رؤیا الاذان: حضرت عبداللہ بن زید عبدربّہ رضی اللہ عنہ کی اذان والی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:**

وعبدُ اللّٰهِ بنُ زيدٍ هُو ابنُ عبدِ رَبِّه (ويُقال: ابنُ عبدِ ربٍّ).

وَلَا نَعرِفُ لَهٗ عَنِ النَّبِيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم شيئًا يَصِحُّ إلّا هذا الحديثَ الواحدَ فی الأذانِ. (الكتب الستة، جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء فی بدء الأذان، ص:١٦٥٤، دارالسلام: الرياض)

**”عبداللہ بن زید وہ ابن عبدربّہ ہیں، یعنی عبداللہ کے دادا کا نام عبدربّہ ہے (اور ایک قول عبدُ ربٍّ (ہ کے بغیر) کا ہے)۔**

**اور اذان کے متعلق اس ایک حدیث کے علاوہ ہم ان کی ایسی کوئی روایت نبی ﷺ سے نہیں جانتے، جو ثابت ہو۔“**

**امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے اعتبار سے جب حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ سے اذان والی روایت کے علاوہ کوئی اور روایت ثابت نہیں، تو مذکورہ بالا حضرات: شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ”صحیح بخاری“ کی روایت مذکورہ میں ”عبداللہ بن زید“ سے عبداللہ بن زید بن عبدربہ کو مراد لینا وہم ہوگا۔ مذکورہ روایت میں علامہ کرمانی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی اور امام عبداللہ بن سالم البصری رحمہم اللہ نے ”عبداللہ بن زید“ سے عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی رضی اللہ عنہ کو مراد لیا ہے؛ چناں چہ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۱۷-۷۸۶ھ) فرماتے ہیں:**

و (عبد اللّٰه بن زيد) بن عاصم هو عمّ عباد، قد تقدم ذكرهما فی باب لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن وهو غير عبد اللّٰه بن زيد بن عبد ربه صاحب رؤيا الأذان. (شرح البخاری للكرمانی، ص:٢٠٧، ج:٢، دارإحياء التراث العربی: بيروت)

**حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں:**

وعبد اللّٰہ بن زید ھو ابن عاصم المازنی. (فتح الباری، ص:۳۱۱، ج:۱، دارالریان: القاھرۃ)

**علامہ عینی رحمہٗ اللہ حدیث مذکور کے ذیل میں (بیان رجالہ) کے تحت اس چھٹے راوی کے سلسلے میں فرماتے ہیں:**

السادس عبد اللّٰہ بن زید بن عاصم المازنی وھو عمّ عَبّاد... وھو غیر عبد اللّٰہ بن زید بن عبد ربہ صاحب رؤیا الأذان رضی اللّٰہ عنہ. (عمدۃ القاری، ص:٤، ج:۳، دارإحیاء التراث العربی: بیروت)

**امام عبداللہ بن سالم البصری رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۴۸-۱۱۳۴ھ) فرماتے ہیں:**

(عن عبد اللّٰہ بن زید) أی: ابن عاصم الأنصاری المازنی، وھو عم عباد بن تمیم کما مرّ فی "باب لا یتوضأ من الشك حتی یستیقن"، وھو غیر عبد اللّٰہ بن زید بن عبد ربہ صاحب رؤیا الأذان. (ضیاء الساری فی مسالك أبواب البخاری، ص:۲۱۹، ج:۳، دارالنوادر: سوریۃ)

**ملحوظہ:**

**حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ کئی حضرات نے ان کے بارے میں مطلقاً یہ کہہ دیا ہے کہ اذان والی روایت کے علاوہ ان کی کوئی اور روایت ہے ہی نہیں؛ حالاں کہ یہ خطا ہے۔ ان کی چھ یا سات روایتیں ہیں، جن کو میں نے الگ جزء میں جمع کیا ہے۔ "الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ" لابن حجر میں ہے:**

قال الترمذی: لا نعرف لہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم شیئًا یصح إلا ھذا الحدیث الواحد. وقال ابن عدی: لا نعرف لہ شیئًا یصح غیرہ، وأطلق غیر واحد أنہ لیس لہ غیرہ وھو خطأ، فقد جاء ت عنہ عدۃُ أحادیث: ستۃ أو سبعۃ، جمعتھا فی جزء مفرد، وجزم البغوی بأن ما لہ غیر حدیث الأذان. (الإصابۃ، ص:۳۱۲، ج:۲، دارالفکر: بیروت)

**"تہذیب التہذیب" لابن حجر میں ہے:**

قال الترمذی عن البخاری: لا یعرف لہ إلا حدیث الأذان... قلت: وقال ابن

عدی: لا نعرف له شيئًا يصح عن النبی صلی اللّٰه عليه و سلم إلا حديث الأذان. انتهی (قال صدفی جميل العطار فی تعليقه علی تهذيب التهذيب: لم نجده عند ابن عدی فی "الكامل") وهذا يؤيد كلام البخاری وهو المعتمد، وقد وجدت له أحاديث غير الأذان جمعتها فی جزء. واغتر الأصبهانی بالأول، فجزم به، وتبعه جماعة فوهموا. (تهذيب التهذيب، ص:۳۰۷، ج:٤، دارالفكر: بيروت)

**امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۱-۶۷۶ھ) ''تہذیب الأسماء واللغات'' میں فرماتے ہیں:**

قال الترمذی: سمعت البخاریّ يقول: لا يعرف لعبد اللّٰه بن زيد بن عبد ربه إلا حديث الأذان.

قلت: قد روينا فی مسند أبی يعلی الموصلی عن محمد بن المثنی عن عبد الوهاب عن عبيد اللّٰه بن بشير بن محمد عن عبد اللّٰه بن زيد بن عبد ربه أنه تصدق علی أبويه ثم توفيا فرده إليه رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ميراثا.

وروينا فی تاريخ دِمَشق عن ابنه محمد عن أبيه عبد اللّٰه بن زيد حديثا فی حلق النبی صلی اللّٰه عليه وسلم رأسه بمنی وقسمة شعره وهو فی طبقات ابن سعد وإسناده جيد. (تهذيب الأسماء واللغات، ص:۲٦۸، ۲٦۹، ج:۱، العلمية: بيروت)

## ''عصر'' کی صراحت کہاں ہے؟

"صحیح بخاری" كتاب مواقيت الصلاة **میں ہے:**

... عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا، فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْماً، وَهُوَ بِالْعِرَاقِ.... (صحيح بخاری، كتاب مواقيت الصلاة، باب مواقيت الصلاة وفضلها الخ، ص:۷۵، ج:۱، قديمی: كراتشی)

*''...ابن شہاب رحمہُ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن نماز میں تاخیر کردی، تو حضرت عروہ بن زبیر رحمہما اللہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو بتایا کہ ایک دن حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے نماز میں دیر کردی، دراں حالے کہ وہ عراق میں تھے-عراق کے گورنر تھے-...''*

*حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے (مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً کے عہدِ گورنری بزمانۂ*

اِمارت ولید بن عبدالملک میں) جس نماز میں تاخیر کردی تھی، وہ ''عصر'' کی نماز تھی، اس بات کی صراحت کہاں ہے؟

علامہ ابن بطال مالکی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۴۴۹ وقیل غیرھا) فرماتے ہیں کہ یہ ''صحیح بخاری'' کتاب المغازی میں شعیب عن الزہری کی روایت میں ہے:

وهذه الصلاة التى أخرها عمر كانت صلاة العصر، روى ذلك شعيب عن الزهرى فى المغازى من هذا الكتاب. (شرح صحيح البخارى لابن بطال، كتاب مواقيت الصلاة وفضلها، قوله تعالىٰ: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ ص:١٤٩، ج:٢، الرشد: الرياض)

بندہ کہتا ہے: یہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا وہم ہے؛ اس لیے کہ یہ بات ''کتاب المغازی'' کی روایت میں نہیں ہے؛ چناں چہ ''کتاب المغازی'' کی روایت یہ ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ بنَ الزُّبَيْرِ يُحَدِّثُ عُمَرَ بنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فِيْ إِمَارَتِهٖ: أَخَّرَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ الْعَصْرَ وَهُوَ أَمِيرُ الْكُوْفَةِ... (صحيح بخارى، كتاب المغازى، باب بلا ترجمة بعد باب شهود الملائكة بدرًا، ص:٥٧١، ج:٢، قديمى: كراتشى)

اس میں تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے عصر کی نماز کو مؤخر کرنے کا ذکر ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے کسی نماز کو مؤخر کرنے کا ذکر ہی نہیں، چہ جائے کہ ''عصر'' کی صراحت ہو۔ ہاں! ''كتاب بدء الخلق'' میں ''ليث عن الزهرى'' کی روایت میں اس کی صراحت ہے، جو حسب ذیل ہے:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا، فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ: أَمَا إِنَّ جِبْرَئِيْلَ قَدْ نَزَلَ فَصَلّٰى أَمَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ: اَعْلَمْ مَا تَقُوْلُ يَا عُرْوَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ بَشِيْرَ بْنَ أَبِي مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فَأَمَّنِيْ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ يَحْسُبُ بِأَصَابِعِهٖ خَمْسَ صَلَوَاتٍ. (صحيح بخارى، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، ص:٤٥٧، ج:١، قديمى: كراچى)

### یہاں وہم ہوگیا ہے

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي. (صحيح بخاری، كتاب الأذان، باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة، والإقامة الخ، ص:۸۸، ج:۱، قديمی: كراتشی)

''تم اسی طرح نماز پڑھنا، جیسے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔''

اس جملہ کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) نے "تلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير" میں ایک مقام پر ''متفق علیہ'' قرار دیا ہے؛ چناں چہ "تلخيص الحبير" میں ہے:

حديث: "صلّوا كما رأيتمونى أصلّى" متفق عليه من حديث مالك بن الحويرث. (تلخيص الحبير، ص:۲۴٦-۲٤۷، ج:۲، مؤسسة قرطبة: القاهرة)

بندہ کہتا ہے:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو یہاں وہم ہوگیا ہے؛ اس لیے کہ "صلّوا كما رأيتمونى أصلّى" صرف ''صحیح بخاری'' میں ہے، ''صحیح مسلم'' میں نہیں۔ البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دوسرے مقام میں اس کی تخریج کی نسبت بخاری ہی کی طرف کی ہے؛ چناں چہ "تلخيص الحبير" میں ہے:

وحديث: "صلّوا كما رأيتمونى أصلّى" رواه البخارى من حديث مالك بن الحويرث. (تلخيص الحبير، ص:۹، ج:۲، مؤسسة قرطبة: القاهرة)

## عہد نبوت میں سورج گہن اور دو وہم کا ذکر

### عہدِ نبوت میں سورج گہن کتنی بار ہوا؟

❁ عہد نبوت میں سورج گہن متعدد بار ہوئے یا صرف ایک مرتبہ ہوا؟ اس میں دو قول ہیں:

**قولِ اوّل:** علماء کی ایک جماعت، جن میں اسحٰق بن راہویہ، ابن جریر طبری اور ابن المنذر رحمہم اللہ ہیں، کہتی ہے کہ عہد نبوت میں سورج گہن متعدد بار ہوئے ہیں۔ ''فلکیاتِ جدیدہ'' میں ماخذ کے ذکر کے بغیر ماخوذ ایک جدول دیا گیا ہے، جس میں ۲۳ سالہ عہد نبوت کے ۱۹ سورج گہنوں کا وقوع کی تاریخوں کے ساتھ ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو: فلکیاتِ جدیدہ، ص:۲۴۴، ۲۴۵، ادارۃ

التصنیف والادب: لاہور۔

بندہ کہتا ہے:

"فلکیاتِ جدیدہ" میں جو جدول دیا گیا ہے، وہ قاضی عبدالرحمٰن صاحب کا تیار کردہ ہے، جسے حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "رحمۃ للعالمین ﷺ"، ص:۱۰۷، ۱۰۸، ج:۱، دارالاشاعت: کراچی میں نقل فرمایا ہے؛ اس لیے "فلکیاتِ جدیدہ" میں مذکور جدول کا ماخذ غالباً "رحمۃ للعالمین ﷺ" ہوگا۔

سورج گہن کی نماز کی کیفیت کے سلسلے میں وارد مختلف ومتعارض روایات کے درمیان جمع کے لیے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو قوی قرار دیا ہے، جیسا کہ "صحیح مسلم بشرح النووی" ص: ۱۷۷، ج: ٦، العلمیة: بیروت میں ہے۔

قولِ ثانی: علماء کی دوسری جماعت کہتی ہے کہ ۲۳ سالہ عہد نبوت میں سورج گہن ایک ہی مرتبہ ہوا ہے، جب رسول اللہ ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا۔ علومِ ریاضی کے ماہر محمود پاشا مصری کی تحقیق یہی ہے۔

اِس قول کے اعتبار سے سورج گہن کی نماز کی کیفیت کے سلسلے میں وارد متعارض روایات ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان "فتح الباری" ص: ٦١٢، ج: ٢، دارالریان: القاهرة میں اسی طرف ہے اور محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۲-۱۳۵۲ھ) نے "فیض الباری علی صحیح البخاری" ص: ٣٨١، ج: ٢ (المجلس العلمی: ڈابھیل) اور "العرف الشذی شرح سنن الترمذی، ص: ٦٠٦، ج: ١ (العلمیة: بیروت) میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

## قولِ ثانی پر تاریخ وقوع کیا ہے؟

❁ قولِ ثانی: سورج گہن ایک ہی مرتبہ ہوا، پر اس کی تاریخ وقوع کیا ہے؟

(۱) فن ریاضی کی مایۂ ناز شخصیت محمود پاشا مصری - جنھوں نے اسلام سے قبل عرب کی تقویم وجنتری سے متعلق فرانسیسی زبان میں ایک رسالہ لکھا ہے، جس کو احمد ذکی پاشا نے "نتائج الأفهام فی تقویم العرب قبل الإسلام" کے نام سے عربی جامہ پہنایا ہے- کی تحقیق کے مطابق مدینہ منورہ میں سورج گہن ۲۹ر شوال ۱۰ھ مطابق ۲۷ر جنوری ۶۳۲ء پیر کے دن ہوا۔

"مقالات الکوثری، ص: ٤٠٦ (ایچ ایم سعید: کراتشی)، "فتح الملهم"

ص:٦١٣، ٦١٤، ج:٥ (مكتبة دارالعلوم: كراتشي) اور "معارف السنن" ص:٥، ج:٥ (المكتبة الرشيدية: كراتشي) میں محمود پاشا کی یہی تحقیق مذکور ہے۔

(۲) "العرف الشذی شرح سنن الترمذی" ص:٦٠٦، ٦٠٧، ج:١ (العلمية: بيروت) اور "أنوار الباری شرح صحيح البخاری" ص:٣٢٨، ج:١٦ (إدارۂ تاليفاتِ اشرفيه: ملتان) میں ۹ھ مذکور ہے۔

بندہ کہتا ہے:

۹ھ ذکر کرنے میں وہم واقع ہوا ہے؛ کیوں کہ "العرف الشذی" اور "انوار الباری" دونوں ہی میں محمود پاشا فلکی مصری کی تحقیق کا حوالہ دیا گیا ہے؛ حالاں کہ ان کی تحقیق ۹ھ نہیں؛ بلکہ ۱۰ھ ہے۔

(۳) احمد آباد شہر (صوبہ: گجرات، انڈیا) کے ایک ہندو پروفیسر کے حساب کی رُو سے اس کی تاریخ ۲۹/شوال ۱۰ھ مطابق ۲۸/جنوری ۶۳۲ء منگل ہے۔ (فلکیاتِ جدیدہ، ص:۲۴۳)

حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۴۱۹ھ): سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور فرماتے ہیں:

"ہمارے خیال میں مذکورہ بالا بیان میں یہ اشکال ہے کہ ۲۷/جنوری ۶۳۲ء کو اتوار کا دن تھا؛ سوموار کا نہیں (جیسا کہ فلکی محمود پاشا مصری نے لکھا ہے)۔

اسی طرح ۲۸/جنوری ۶۳۲ء کو سوموار کا دن ہونا چاہیے؛ منگل نہیں (جیسا کہ ہندو پروفیسر نے لکھا ہے)۔

نیز جنوری میں سخت سردی پڑتی ہے اور صحیح روایاتِ ابی داود و مسلم میں ہے کہ یہ آفتاب گہن سخت گرمی کے موسم میں واقع ہوا تھا، صلاۃِ کُسوف پڑھتے ہوئے بعض لوگ شدّتِ گرمی کے باعث بیہوش ہوکر گر پڑے، ہوش میں لانے اور گرمی دفع کرنے کی خاطر ان پر پانی ڈالا گیا۔" (فلکیاتِ جدیدہ، ص:۲۴۳، ۲۴۴)

(۴) حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہمارے خیال میں اس کُسوف کی تاریخ وقوع سوموار ۳۰/محرم ۱۱ھ مطابق ۲۸/اپریل ۶۳۲ء ہے۔ مدینہ منورہ میں عرضِ بلد کی کمی کی وجہ سے اپریل ہمارے (اہل ملتان و پنجاب کے) جون یا مئی سے کم گرم نہیں ہوتا۔

(۵) یا اس کی تاریخ وقوع اس سے قبل جمعرات (خمیس) (۲۹/ربیع الاول ۱۰ھ مطابق

۶/جون ۶۳۱ء ہے۔

اس بیان کی تائید میں بعض وہ روایات پیش کی جاسکتی ہیں، جن میں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ربیع الاوّل میں بتائی گئی ہے۔" (فلکیاتِ جدیدہ، ص:۲۴۴)

**سورج گہن کا وقت کون سا تھا؟**

محمود پاشا فلکی مصری کی تحقیق کے مطابق عہد نبوت میں ہونے والا واحد سورج گہن صبح ساڑھے آٹھ بجے ہوا تھا۔ "العرف الشذی" میں ہے:

وقال (أی محمود فاشا الفرنساوی): إن الكسوف فی عهده علیه الصلاة والسلام واحد، وانکسف وقت ثمانیة ساعات ونصف ساعة علی حساب عرض المدینة. (العرف الشذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء فی صلاة الكسوف، ص:٦٠٦، ٦٠٧، ج:١)

"فتح الملهم" میں ہے:

... أن الشمس كسفت فی المدینة المنورة فی یوم الاثنین ٢٩ شوال سنة ١٠، الموافق لیوم ٢٧ ینادر سنة ٦٣٢ میلادیة فی الساعة ٨، والدقیقة ٣٠ صباحاً. (فتح الملهم، كتاب الكسوف، ص:٦١٤، ج:٥، مكتبه دارالعلوم كراتشی)

حضرت مولانا احمد رضا صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہ (۱۹۰۷ء - ۱۴۱۸ھ) "أنوار الباری شرح صحیح البخاری" میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت (علامہ انور) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"حضور ﷺ کی زندگی میں صرف ایک بار سورج گرہن ہوا تھا، جو حسب تحقیق مشہور ماہر ریاضی محمود شاہ فرنساوی ۹ھ میں ساڑھے آٹھ گھنٹے تک رہا تھا۔" (أنوار الباری، ص:٣٢٨، ج:١٦، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیه: ملتان)

بندہ کہتا ہے:

"انوار الباری" میں وہم ہوگیا ہے، "ساڑھے آٹھ بجے ہوا تھا" کی بجائے "ساڑھے آٹھ گھنٹے تک رہا تھا" ذکر کردیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اس مضمون کی تکمیل کے بعد "نتائج الأفهام فی تقویم العرب قبل الإسلام" دستیاب ہوئی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی متعلقہ عبارت ذیل میں درج کردی جائے:

وقد تتبعت حسابًا دقيقًا، فاتضح لی منه أن الشمس كسفت فی المدينة المنورة فی الساعة ٨ والدقيقة ٣٠ بعد نصف الليل من يوم ٢٧ يناير سنة ٦٣٢م.

وبناءً على ذلك يكون اليوم التاسع والعشرون من شوال من السنة العاشرة للهجرة موافقًا لليوم السابع والعشرين من يناير سنة ٦٣٢م، فهذه مسئلة فلكية قد توصلنا إلى تحقيقها، فاجعلها على بال منك. (نتائج الأفهام فی تقويم العرب قبل الإسلام، المبحث الأول فی تحديد يوم مات إبراهيم بن النبی عليه الصلاة والسلام بكسوف شمسی، ص:٩، ١٠، دارإحياء التراث العربی: بيروت)

## ابومروان الغسانی کی صحیح بخاری میں کتنی حدیثیں ہیں؟

**حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۳ھ) ابومروان یحییٰ بن ابی زکریا الغسانی الواسطی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:**

ماله فی البخاری سوى موضع واحد متابعة. (تقريب التهذيب، ص:٦٥٨، ج:٢، دارالفكر: بيروت)

**''ان کی ''صحیح بخاری'' میں ایک جگہ متابعتاً حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ہے۔''**

له فی صحيح البخاری حديث واحد عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة – رضی الله عنها – متابعة. (تهذيب التهذيب، ص:٢٣٠، ج:٩، دارالفكر: بيروت)

**''ان کی ''صحیح بخاری'' میں ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ - رضی اللہ عنہا - کے طریق سے ایک متابعتاً حدیث ہی ہے۔''**

**بندہ کہتا ہے:**

**ابومروان الغسانی کی ''صحیح بخاری'' میں ایک ہی حدیث ہونے کا قول وہم ہے۔ خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح الباری'' میں دوسری حدیث کا وجود تسلیم کیا ہے؛ چناں چہ** فتح الباری، كتاب الهبة، باب من أهدى إلى صاحبه وتحرى بعض نسائه دون بعض **میں ابومروان الغسانی کی متابعتاً حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

وقد تقدمت لأبی مروان هذا رواية موصولة فی كتاب الحج. (فتح الباری، كتاب الهبة، باب من أهدى إلى صاحبه وتحرى بعض نسائه دون بعض، ص: ٢٤٧، ج:٥، دارالريان، القاهرة)

''اس ابومروان کی موصول روایت کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔''

**درحقیقت ابومروان یحییٰ بن ابی زکریا الغسانی کی ''صحیح بخاری'' میں نہ صرف ایک حدیث ہے اور نہ ہی دو؛ بل کہ ان کی حدیثیں پانچ سے کم تو ہرگز نہیں، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:**

(۱) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قال حَدَّثَنِی سُلَيْمَانُ عَنْ هِشَامٍ ح قال وَحَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ قال حَدَّثَنَا أَبُو مَرْوَانَ يَحْيَىٰ بْنُ أَبِی زَكَرِيَّاءَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: ''إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَتَعَذَّرُ فِی مَرَضِهِ: أَيْنَ أَنَا الْيَوْمَ، أَيْنَ أَنَا غَدًا؟ اسْتِبْطَاءً لِيَوْمِ عَائِشَةَ. فَلَمَّا كَانَ يَوْمِی قَبَضَهُ اللَّهُ بَيْنَ سَحْرِی وَنَحْرِی، وَدُفِنَ فِی بَيْتِی'' (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی قبر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وأبی بکر و عمر رضی اللّٰہ عنہما، ص:۱۸۶، ج:۱، قدیمی: کراچی)

(۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ قال أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهَا قالت: ''شَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' ح قال وحَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مَرْوَانَ يَحْيَىٰ بْنُ أَبِی زَكَرِيَّاءَ الْغَسَّانِیُّ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِیِّ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ بِمَكَّةَ وَأَرَادَ الْخُرُوجَ – وَلَمْ تَكُنْ أُمُّ سَلَمَةَ طَافَتْ بِالْبَيْتِ وَأَرَادَتِ الْخُرُوجَ – فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''إِذَا أُقِيمَتْ صَلَاةٌ لِلصُّبْحِ (صلاۃ الصبح) فَطُوفِی عَلَى بَعِيرِكِ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ، فَفَعَلَتْ ذٰلِكَ وَلَمْ تُصَلِّ حَتَّىٰ خَرَجَتْ'' (صحیح بخاری، کتاب الحج، باب من صلّی رکعتی الطواف خارجًا من المسجد، ص:۲۲۰، ج:۱، قدیمی: کراچی)

(۳) وَقَالَ أَبُو مَرْوَانَ الغسانی عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ ''كَانَ النَّاسُ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ''. وَعَنْ هِشَامٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَرَجُلٍ مِنَ الْمَوَالِی عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ ''قَالَتْ عَائِشَةُ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِیِّ فَاسْتَأْذَنَتْ فَاطِمَةُ''. (صحیح بخاری، کتاب الهبة، باب من أهدى إلى صاحبه وتحرى بعض نسائه دون بعض، ص:۳۵۱، ج:۱، قدیمی: کراچی)

(٤) حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِی الْمَغْرَاءِ قال حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ

”عَنْ عَائِشَةَ هُزِمَ الْمُشْرِكُونَ يَوْمَ أُحُدٍ...“ ح وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ قال حَدَّثَنا أَبُو مَرْوَانَ يَحْيَىٰ بْنُ أَبِى زَكَرِيَّاءَ الوَاسِطِيَّ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ ”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: صَرَخَ إِبْلِيسُ يَوْمَ أُحُدٍ فِى النَّاسِ: يَا عِبَادَ اللّٰهِ أُخْرَاكُمْ، فَرَجَعَتْ أُولاَهُمْ عَلَى أُخْرَاهُمْ، حَتَّى قَتَلُوا اليَمَانَ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: أَبِى أَبِى، فَقَتَلُوهُ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: غَفَرَ اللّٰهُ لَكُمْ. قَالَ: وَقَدْ كَانَ انْهَزَمَ مِنْهُمْ قَوْمٌ حَتَّى لَحِقُوا بِالطَّائِفِ“. (صحيح بخارى، كتاب الديات، باب العفو فى الخطأ بعد الموت، ص:۱۰۱۷، ج:۲، قديمى كراچى)

(۵) وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ قال حَدَّثَنا يَحْيَى بْنُ أَبِى زَكَرِيَّا الغَسَّانِيُّ عَنْ هِشَامٍ بن عُرْوَةَ عن أبيه ”عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ: مَا تُشِيرُونَ عَلَيَّ فِى قَوْمٍ يَسُبُّونَ أَهْلِى مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُوءٍ قَطُّ“ وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ: ”لَمَّا أُخْبِرَتْ عَائِشَةُ بِالأَمْرِ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَأْذَنُ لِى أَنْ أَنْطَلِقَ إِلَى أَهْلِى؟ فَأَذِنَ لَهَا فَأَرْسَلَ مَعَهَا الغُلاَمَ. وَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ: سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا، سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ. (صحيح بخارى، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول اللّٰه تعالىٰ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ، وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ﴾ الخ، ص:۱۰۹۶، ج:۲، قديمى: كراچى)

**(جاری)**